

آسیہ رزاقی



"لو یہ کہاں سے ٹپک پڑیں!" طلعت کو آواز پر قابو تھا نہ لہجے پر اختیار۔ برداشت کی کمی تھی اس میں۔ سکی بوا نے اپنی ٹیڑھی آنکھیں مزید ٹیڑھی کر کے منہ بنایا۔

ناولٹ



"اے ہے ہم کوئی آم ہیں۔ جو ٹپکیں گے۔ رشکے (رکشے) سے آئے ہیں آرام سے۔"

کہتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہو گئیں۔

طلعت بھنا کر رہ گئی۔ "چلو ایک اور رشتہ۔ اب آئی شامت" اسے تو یوں بھی مہمانوں سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ ایک مہینے سے تو ماموں للن مہمان تھے اور ان کے اب بھی جلد جانے کے آثار تھے نہ ہی امید۔ اماں تھیں کہ روز اول کی طرح ان سے تپاک کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ اماں کو یوں بھی مہمانوں کی خاطر تواضع کا بے حد شوق تھا۔ بلکہ وہ اسے فرض سمجھ کر کرتی تھیں۔

طلعت کو بہت چڑ ہوتی تھی۔ ایسا بھی کوئی گھر ہو گا۔ جہاں گھر والوں سے زیادہ مہمان جمع رہتے ہوں۔ سکی بوا تو خیر پھر بھی چند گھنٹوں کی مہمان ہوتی تھیں۔ کھانا کھا کر ٹھنڈی ہوا میں ذرا سی جھپکی لے کر پھر اٹھ کر شربت کا گلاس چڑھا کر مع کرائے کے واپس ہوتی تھیں۔ کئی مہمان تو ایسے بھی آتے۔ جن کو اماں اصرار کر کے روک لیتی تھیں۔

"اے ہے۔ آج رات کو رک جاؤ آپا! تمہارے کون سے چھوٹے بچے گھر میں ہڑک رہے ہیں۔ اے رات کو باتیں کریں گے مزے سے پرانی پرانی۔"

اور مہمان خاتون پرانی مزے دار باتوں کے لالچ میں رک بھی جاتیں۔ پھر طلعت اور رفعت کو مہمان کے پلنگ بستر کے انتظام کا حکم مل جاتا۔ دونوں اس حکم کی تعمیل میں بددلی سے مصروف ہو جاتیں۔ مگر یہ جو ماموں

للن مستقل مہمان بنے ہوئے تھے۔ ان کو ہر گھنٹہ بعد کچھ نہ کچھ کھانے کا شوق تھا۔ کبھی مونگ پھلیاں تو کبھی کشمش چنے ورنہ بھنی ہوئی مکئی کے دانے یا پھر پھل فروٹ۔

"ارے بھیا! کچھ چرنے چگنے کو ہے کہ نہیں۔"

وہ آواز لگاتے اور اماں فوراً "محفوظ اسٹاک" سے کچھ نہ کچھ لا کر سامنے رکھ دیتیں۔

اگر اماں نہ ہوتیں تو دونوں ادھر ادھر ٹل جاتیں۔ پھر وہ اپنے بیگ سے نمکین کاجو یا بسکٹ نکال کر کھاتے۔ اس عمر میں دانتوں کی مضبوطی قابل تعریف تھی اور یہ خاصی خطرناک بات تھی۔ بادام اخروٹ تک دانتوں سے دبا کر توڑ لیتے۔

ایک ہفتے میں ہی ایک مہینے کا ذخیرہ خشک میوہ جات کا ختم ہو گیا۔ جو اماں مہمانوں کے لیے چھپا کر رکھتی تھیں۔ ایک ہفتہ مکئی کے دانوں اور چنوں پر انحصار کیا۔ پھر سیب اور کیلے ختم ہوتے رہے۔ رفعت تو چپ رہتی مگر طلعت کو یہ بن بلائے مہمان سخت برے لگتے۔

ماموں للن اماں کے نہ جانے کس پیچیدہ رشتے سے ماموں ہوتے تھے۔ انڈیا سے آئے تھے۔ اماں ان سے خوامخواہ مرعوب تھیں۔ حالانکہ نہ وہ رشتے کے لحاظ سے کوئی تحفہ ہی لائے تھے۔ نہ ہی اپنے بیگ میں پوشیدہ نمکین کاجو میں سے لڑکیوں کو ہی کچھ حصہ دیا۔ مگر اماں کو خدشہ تھا کہ ماموں انڈیا جا کر ان کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ مشہور کر دیں۔

رفعت کا رشتہ دلی میں جس گھرانے میں طے کیا تھا۔ اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ گھر میں پاندان نہ تھا مگر اماں نے ماموں للن کے لیے پاندان کا پورا انتظام کر دیا۔ روزانہ پان منگائے جاتے۔ روز ختم ہوتے۔ روزانہ سیب کیلے۔ چنے مکئی منگائی جاتی۔ کبھی رفعت پکوڑے بنا کر ان کے آگے رکھ دیتی۔ کبھی چپس تلتی یا نمک پارے۔ غرضیکہ نظام گرہستی درہم برہم تھا۔

طلعت سخت جز بز رہتی اور سنگی بوا کے بارے میں یہ سن کر کہ اسی کے رشتے کے سلسلے میں آئی ہیں وہ بھنا گئی۔

"کیوں؟ میرے رشتے کی کیا جلدی ہے۔ میں کہیں بھاگی جا رہی ہوں۔"

"ماؤں کو فکر تو ہوتی ہے جب لڑکیاں جوان ہو جائیں۔" رفعت کی سنجیدگی پر اور بھی غصہ آیا۔

"اماں سے کہہ دو میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ میری فکر چھوڑ دیں۔"

"میرے یا تمہارے کہنے سے فکر کم نہیں بلکہ اور زیادہ ہو گی کہ بڑھاپے میں تو اور بھی رشتہ ملنا مشکل ہوتا ہے۔ کیوں اماں کو پریشان کرتی ہو۔"

"تمہارا خیال ہے مجھے اماں کا خیال نہیں۔ واہ کیا بات ہے۔ ویسے تو تمہاری وجہ سے بھی وہ پریشان ہی رہتی ہیں۔ یہ جو للن صاحب مسلط ہیں۔ ان کی خاطروں نے جو بجٹ فیل کیا ہوا ہے۔ وہ تمہاری سسرال کی وجہ سے نا کہ انہیں "سب اچھا" کی رپورٹ ملے۔ آخر ہم اللہ پر بھروسا کیوں نہیں کرتے انسانوں سے توقع باندھ لیتے ہیں کہ جیسے وہ ہی سب اختیار رکھتے ہیں۔" وہ سخت جز بز تھی۔

"تم بھی کمال کرتی ہو۔ اماں کی تو ہر مہمان کے لیے ایسی ہی چاہت ہوتی ہے۔ پھر یہ تو ماموں ہیں۔ دوسرے ملک سے آئے ہیں۔" رفعت کو سمجھانے کی عادت تھی۔

"اچھا تو پورے ملک میں وہ صرف اماں کی وجہ سے آئے ہیں۔ کسی اور سے بھی تو جا کر ملیں۔ یہیں دھرنا دے کر بیٹھے ہیں۔ پورے پاکستان میں ان کا اور کوئی نہیں ہے جیسے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ ان کے جانے کا کوئی پروگرام لگتا تو نہیں۔" رفعت نے فوراً حمایت کی۔

"معلوم نہیں کس کے پاس آئے تھے اور کیوں، ویسے ان کا ایک لائق فائق بیٹا بھی تو ہے۔ ممکن ہے تمہاری شہرت سن کر آ گئے ہوں۔ جائزہ لے کر فیصلہ کریں گے۔"

رفعت نے تو شرارت میں کہا تھا مگر طلعت کو غصہ آ گیا۔

"ہاں ہی وہ لائق فائق سپوت تین سال میٹرک میں فیل اور ویلڈنگ کا ڈپلومہ حاصل کر کے۔۔۔۔ دہاڑی لگاتے ہیں۔ کیا سمجھا ہے انہوں نے مجھے۔"

"واہ بڑی معلومات ہے بھئی۔" رفعت سرہلانے لگی۔ "اور بھلا تم کیا سمجھو گی کسی کو جب ایک ہائی وائی انجینئر کو کسی قابل نہ سمجھا تو ڈپلومہ ہولڈر تو تمہارے پیر کی جوتی ہو گا۔"

رفعت نے بھی ایسا تاک کر تیر چلایا کہ سیدھا ہدف پر لگا۔ طلعت تلملا گئی۔ مگر ضبط کرنے کی عادت ڈال رہی تھی کہ پچھلے دنوں ایسے کتنے ہی تیروں کا مقابلہ کر چکی تھی۔ اب خاموش رہتی۔ زبان تو بس ایک بار ہی کھلی تھی۔ وہ بھی اس پانچ سالہ منگنی کے خلاف۔ کم از کم اس بارے میں تو پھر بولی ہی نہیں۔ باقی معاملات میں وہ کھل کر اظہار خیال کرتی تھی۔ بدلحاظی میں بھی حرج نہ سمجھتی۔

"یہ اس قسم کی خواتین سے آپ پیچھا چھڑا لیں۔ ورنہ میں خود ان سے کہہ دوں گی پھر آپ کو برا لگے گا۔" اس نے سنگی بوا کے بارے میں کہا۔ اماں ہکا بکا رہ گئیں۔ پھر انہیں غصہ آ گیا۔ وہ چیخنے لگیں۔ طلعت ان کے غصے سے ڈر گئی۔

"اماں، اماں جی! میری بھی تو سنیں۔ میں ابھی اس چکر میں نہیں پڑنا چاہتی۔ دیکھیں۔ میں ایم اے کر کے چند دن جاب کروں گی پھر میں۔"

"جاب؟ کچھ دن؟" اماں چلائیں۔ "ہوش میں رہو۔ زیادہ اونچا اڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی مرضی تم چلا چکیں۔ اب میری مرضی چلے گی۔ جیسے ہی کوئی مناسب رشتہ ملا۔ رخصتی کر دوں گی۔"

"اچھا چلا لیں اپنی مرضی۔ جھونک دیں مجھے جہنم کی آگ میں جیتے جی۔ رفعت چلی جائے گی انڈیا۔ آپ اکیلی رہ سکیں گی اس گھر میں تنہا؟ یا پھر ایسے مہمانوں کو دعوت دیتی رہیں گی۔ جو مہینوں جان نہیں چھوڑتے۔"

"ارے تو کیا اپنی تنہائی کی وجہ سے جوان بیٹی کو گھر میں بٹھائے رکھوں؟"

"اماں تو کیا ایسا ہوتا نہیں؟ آس پاس نظر دوڑائیں۔ کتنے ہی گھر ایسے ملیں گے جہاں ماں باپ کی خاطر یا بہن بھائیوں کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے لڑکیاں شادی نہیں کرتیں۔ جاب کر کے گھر سنبھالتی ہیں۔ ماں باپ کی خدمت کرتی ہیں۔ شادی کوئی ضروری نہیں ہے۔"

"یہ تو چند مثالیں ہیں۔" اماں اطمینان سے بولیں۔ "لاکھوں لڑکیاں شادی کر کے گھر بساتی ہیں۔ شادی، نکاح۔ سنت ہے۔ حکم شرعی ہے۔ ہر فرد کا مالک وہ طاقت ہے جسے اللہ کہتے ہیں۔ میرا بھی وہی مددگار ہے میں تمہارے جیسے کمزور سہارے کی محتاج نہیں۔ میرا مالک میرا داتا اللہ ہے۔ بس۔"

اماں کی تقریر دل پذیر شاید اور طویل ہو جاتی مگر ان کا دل بھر آیا۔ عقیدت سے زبان لڑکھڑا گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ طلعت کو اماں کے اللہ پر اعتماد نے چپ کرا دیا۔ رفعت بھی چپ تھی۔ اسی وقت ماموں للن نے اندر سے آ کر پوچھا۔

"زاہدہ بی! یہ کس طرح کی بحث ہو رہی تھی۔ تم ماں بیٹی میں۔"

"کچھ نہیں ماموں۔ وہ دراصل آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ وہی کہہ رہی تھی۔"

اماں ہر بات تو انہیں بتاتی نہیں تھیں کہ وہ جانے کیا نتیجہ اخذ کر لیں۔ طلعت کی انہیں بہت فکر تھی۔ پانچ سال کی منگنی کہیں پانچ منٹ میں ختم نہ ہو جائے۔

☆ ☆ ☆

ایک دن ایک پر اسرار ٹیلی فون آیا۔ اماں نے بات کی تھی۔ وہ بہت مسرور نظر آئیں۔ اچانک ہی انہیں گھر میں بہت سی چیزوں کی کمی محسوس ہونے لگی۔ انہیں ہر طرف گندگی نظر آنے لگی اور گھر کباڑ خانہ

لگنے لگا۔ وہ صفائی میں جٹ گئیں۔ لڑکیوں کو بھی مصروف کر لیا۔ پردے اتروا کر دھلوا کر اس کے کنارے شوخ رنگ کے کپڑے کی پٹیاں لگائی گئیں۔ جن سے وہ جاذب نظر لگے۔ تخت جس کی چولیں ہل کر چوں چوں کر رہی تھیں۔ بڑھئی کو بلوا کر اس کی مرمت کی گئی۔ اس پر خوب صورت سا تخت پوش ڈالا گیا۔ کرسیوں پر پالش خود ہی کر لی۔ لنڈے سے شنیل کے پردے لا کر صوفوں کی پوشش کروائی۔ اماں کا بس چلتا تو دیواریں بھی گھس کر چمکا تیں۔ مگر پھر بھی جہاں تک ممکن تھا۔ پورے گھر کو چمکا کر دم لیا۔

"ضرور کوئی وزیر، سفیر ہمارے گھر تشریف لا رہا ہے۔" طلعت کو یقین تھا۔

رفعت فکر مند تھی کہ اتنی محنت کر کے اماں بیمار نہ پڑ جائیں۔

آخر ایک دن انہوں نے راز فاش کر ہی دیا۔

"آپا منور آ رہی ہیں ملتان سے۔ کئی سالوں بعد ملاقات ہوگی۔ دیکھنا کتنی عمدہ خاتون ہیں۔ میں تو انہیں پیرانی کہتی تھی۔"

ماموں للن نے سنا تو فوراً "رخت سفر باندھا اور روانہ ہو گئے۔

"یا تو یہ خالہ منور انٹیلی جنس سے تعلق رکھتی ہیں اور ماموں للن کسی دہشت گرد تنظیم سے یا پھر۔" طلعت نے خیال ظاہر کیا۔ "ماموں۔۔۔"

"میں اسی لیے تو بتا نہیں رہی تھی۔ سوچا تھا آپا آ جائیں تو ماموں کے ساتھ ان کے مکالمے افوہ۔۔۔ انہیں خبر ہو گئی تب ہی رخصت ہو گئے۔"

طلعت نے تو شکر ادا کیا۔ مگر اب یہ نئی مہمان نا معلوم کس قسم کی ہوں گی اور کتنے دن رہیں گی۔

خیر بغیر اطلاع دیے وہ ایک دن پہنچ گئیں۔ اماں سے کئی سال بڑی مگر بہت ہمت حوصلے والی۔ اکیلی ٹرین سے آئیں اور ٹیکسی کر کے گھر پہنچ گئیں۔ خوش شکل، خوش مزاج، خوش لباس، اور صحت مند۔ طلعت نے ان کو ماموں للن کے فرار کا سنایا خوب ہنسیں۔

"مجھ سے ڈر گئے ہوں گے۔ ایک زمانے میں میں نے ان کی ایسی خبر لی تھی کہ۔۔۔۔ بھولے نہیں ہوں گے۔"

پھر انہوں نے ماموں للن کے قصے سنائے اور یہ کہ کس طرح ماموں ان کے عشق میں گرفتار ہوئے۔ ہر جگہ ان کا پیچھا کرتے۔ اسکول کے گیٹ پر کھڑے رہتے ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے۔ جونہی خالہ منور کو اندازہ ہوا انہوں نے سب کے سامنے یعنی اپنے والدین اور ان کے والدین کے سامنے جب وہ لوگ ان کا رشتہ لے کر آئے تو ان کی خوب خبر لی۔ بس وہ دن اور آج کا دن۔ سامنا نہیں کرتے اپنی عزت افزائی کے بعد پھر وہ انڈیا چلے گئے۔ ان کے والدین دہلی میں ہی تھے۔ انہی کے اصرار پر پاکستان آئے تھے رشتہ کرنے۔

"میں نے ان کی اماں سے کہا۔ آپ رشتے میں نانی ہیں اور یہ ماموں شرم نہیں آئی۔ اپنے رشتے کا ہی بھرم رکھ لیتے۔ اب یہ آس پاس کہیں نظر آئے تو خیر نہیں۔ ڈیڑھ پسلی کے آدمی ہیں۔ ایک مکا رسید کروں گی تو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔"

نانی جان بھی گلے پڑنے لگیں۔

"ووئی، ووئی میرے اللہ، میری توبہ میں تو ایسی مار کو کبھی بہو نہ بناؤں۔" ان کا انداز بیان دلچسپ تھا۔ رفعت کو بہت ہنسی آ رہی تھی۔

"خالہ آپ اس زمانے میں بھی اتنی نڈر تھیں۔" خالہ کو اب یہ فکر ہو گئی کہ اب وہ آخر یہاں آئے کیوں اور اسی گھر میں کیوں ڈھیر رہے۔ وہ دور کی کوڑی لائیں۔

"لگتا ہے۔ تم سے نکاح کر کے طلعت کو بہو بنا کر لے جانے کے لیے آئے تھے۔ ترس آ رہا ہو گا تم پر کہ رفعت کے بعد اکیلی رہ جاؤ گی۔ چلو پوری فیملی کو انڈیا کے دیدار کرا دیں۔"

اماں کو اس قدر شرم آئی کہ تکیے میں منہ گھسا کر بیٹھ گئیں۔ طلعت، رفعت ہنس ہنس کے بے حال۔

"آپا! خدا کے لیے شرم کرو۔ ماموں ہیں وہ میرے۔

لڑکیوں کے سامنے کیا تماشا کر رہی ہو۔"

"اے بی بی زاہدہ! ان ماموں کو تو جوانی میں شرم نہ آئی۔ تو اب تو ڈھیٹ ہو گئے ہوں گے۔ میں بھی ان کی بھانجی ہی تھی۔ تم نے تو میزبانی بھی دل لگا کے کی۔"

اماں توبہ توبہ کرتی سامنے سے ہٹ گئیں۔ خالہ منور بھی اپنے نام کی ایک تھیں۔ یہ معلوم ہوتے ہی کہ رفعت کی سسرال ماموں للن کے پڑوس میں ہے اور بلکہ ان کے سسرالی رشتے دار ہیں وہ لوگ ان کو پریشانی ہو گئی۔

"یہ کہاں رشتہ دے دیا تم نے۔ ماموں للن کے سسرال کے لوگوں میں تو سنا ہے کہ گندگی کے جراثیم ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ گھر میں کتے لوٹتے ہیں۔ ارے بھائی ان کے گھروں میں تو چوہے کودتے ہیں۔ سنا ہے خواتین تو پیوند لگائے کپڑے پہنتی ہیں۔ بھئی چوہے کچھ چھوڑتے جو نہیں۔ تمہاری بیٹی کے قیمتی کپڑے گئے چوہوں کے منہ میں اور سنو یہاں کیا ڈر کم ہیں جو کافر ملک میں بیٹی دے دی۔ جب چار پانچ سال بعد بیٹی آئے گی ملنے تو پہچانو گی مشکل سے۔ ماتھے پر بندی۔ انگی ساڑی پہنے ہاتھ جوڑ کر سلام کرے گی۔ اچھا لگے گا بھلا؟"

رفعت چڑ گئی۔ "لو وہاں کیا مسلمان لڑکیاں بندیا لگائے پھرتی ہیں؟"

"کیا! ان کا تو معاشرہ یہی ہے۔ ہمارے ہاں بھی فیشن کے نام پر لڑکیاں بندیا لگانے لگی ہیں۔ ٹی وی ڈراموں میں لڑکیاں نیم عریانی کے ساتھ ہندوؤں کو خراج تحسین پیش کرتی نظر آتی ہیں۔ بلکہ اب تو ہیبت ناک مورتیوں کے سامنے ہاتھ بھی جوڑتی ہیں۔ ہر ڈرامہ کسی نہ کسی ہندو فیملی کے گن گاتے نظر آتا ہے۔ افسوس، شرم آتی ہے مجھے لگتا ہے ہم پاکستان میں نہیں۔ کافرستان کے باسی ہیں۔"

"اور اسی کافرستان کا باسی بنانے تم بیٹی کو بھیج رہی ہو۔ محض دور کی رشتے داری۔ ایک ٹیلی فون کال پر تم نے رشتہ قبول کر لیا۔ نہیں زاہدہ! بیٹیوں کو اس طرح داؤ پر نہیں لگایا جاتا۔ صرف لڑکے کی تصویر دیکھ کر اتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔ یہ جو ماموں تمہارے آئے تھے۔ انہوں نے بھی کچھ بتایا ہو گا۔ یا تم نے پوچھا ہی نہیں؟"

اماں گو مگو کی کیفیت میں تھیں "بس سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا پوچھوں دو بئی میں جو بھائی ارشاد ہیں ان سے ہی پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا لڑکا تو ٹھیک ہی ہے۔ مگر فیملی کو ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

"چلو چھٹی ہوئی اس کا مطلب ہے کم آمدنی، کم آمدنی کا مطلب کم تعلیم۔ زاہدہ! میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔ اب یہ لڑکی کیا سسرال کے چوہوں سے مقابلہ کرتے ہوئے سال دو سال میاں کے انتظار میں گزارے گی؟" خالہ نے تو سر پیٹ لیا۔

"آپا! میں بیوہ عورت ہوں۔ نہ کوئی سرمایہ ہے نہ بیٹا ہے۔" اماں رنجیدہ ہو گئیں۔

"یہاں کا تو یہ حال ہے کہ جہیز میں گھر اور گاڑی پہلے مانگتے ہیں۔ میں کہاں سے دیتی؟"

"تو کون سی اس کی عمر نکلی جا رہی تھی۔ ذرا صبر کر لیتیں۔ اچھے نیت سیر لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ خیر ابھی تو وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

اماں اور خالہ رات دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ رفعت فکر مند تھی۔ طلعت اس کا مذاق اڑاتی رہی۔

"تم چو بے ہنگائی رہنا اور ان کے کترے ہوئے کپڑوں میں پیوند لگاتی رہنا۔ یہی طریقہ ہے وہاں' بلکہ ایک بلی بھی رکھ لینا۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا۔ خیر تم بتا دینا۔"

"ایک بلی سے کیا ہو گا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

طلعت زور سے ہنس دی۔

"میں ... پاکستان چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ بس۔" کہہ کر اس نے چادر تان لی اور ہنسنے لگی۔ گویا اس فیصلے سے وہ خوش تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح اٹھ کر خالہ منور نے کچن میں جا کر چائے بنالی۔ طلعت گئی تو انہیں چائے پیتا دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

"خالہ! آپ نے کیوں زحمت کی میں آ ہی رہی تھی۔"

"بیٹا! پھر کیا ہوا؟ میں اپنے گھر میں خود ہی چائے بناتی ہوں۔ سوئے ہوئے لوگوں کو کیوں اٹھاؤں۔ تمہاری ماں نماز کے بعد وظیفہ پڑھ رہی تھیں میں نے اپنی اور ان کی چائے بنالی۔"

انہوں نے دوسرے کپ میں اماں کے لیے چائے نکالی۔ اور اپنی پیالی' ساس پین سب دھو دیے۔ طلعت نا نا کرتی رہ گئی۔

"خالہ ماسی آتی تو دھو لیتی۔"

"میں اپنے برتن خود دھو لیتی ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ ماسی کو تھوڑا آرام ملتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ عورت کو یا لڑکیوں کو بھی چھٹی شیشے کے برتن یعنی مگ اور گلاس اور بلکہ چمچے بھی فوراً دھو لینے چاہئیں۔ کھونے اور ٹوٹنے سے بچتے ہیں۔ ماسیاں بے دردی سے کام کرتی ہیں۔ انہیں کھانے کے اور بھی برتن دھونے ہوتے ہیں۔"

خالہ کا فلسفہ بھی خوب تھا اور وہ جتنے دن رہیں' اس پر عمل کرتی رہیں۔ انہیں ہزاروں کہانیاں یاد تھیں۔ وہ دوپہر میں کہانی سنانے کے موڈ میں ہوتیں تو اماں کو گھبراہٹ شروع ہو جاتی۔

"اے ہے آپا! دن میں تو کہانی نہ سنائیں۔ سنا ہے ماموں راستہ بھول جاتے ہیں۔"

"لو اور سنو۔" خالہ ہنس پڑیں۔ "اور تمہارے بھائی یعنی طلعت کے ماموں تو شاید میری کہانی سے پہلے ہی راستہ بھولے ہوئے ہیں۔ آتے ہی میں نے فون کیا تھا۔ کان میں تیل ڈالے بیٹھے ہیں۔ دیکھ لو زحمت نہیں کی کہ بہن سے آکر مل لیں اور بھی اگر تمہیں اپنے ماموں کے راستہ بھولنے کی فکر ہے۔ تو لے دے کے ماموں للن ہی زندہ رہ گئے ہیں۔ انہیں تو اپنے گھر کا راستہ بھولنے ہی دو۔ مجھے کہانی سنانے دو۔"

ماموں تو نہیں آئے۔ اماں انہیں لے کر خود ہی ماموں کے گھر چلی گئیں۔ خالہ نے ماموں کو خوب شرمندہ کیا۔ خاصی منہ پھٹ اور بے دھڑک خاتون تھیں۔ جو دل میں ہوتا زبان پر بھی وہی ہوتا۔ خود بھی اعتراف تھا انہیں کہ بعض اوقات ان کی سچی اور کھری باتیں انہی کو نقصان پہنچا دیتی ہیں۔

"مگر میں بھی حق بات کہنے سے رک نہیں سکتی۔" وہ فخریہ بولیں۔

"تمہاری ممانی تو خاصی بااخلاق ہیں۔" انہوں نے طلعت سے خود ہی بات کی۔ "پھر تم نے ان کے بیٹے سے شادی سے انکار کیوں کیا؟"

طلعت کیا کہتی۔ ان کے دوبارہ سوال پر آہستہ سے کہہ دیا۔

"وہ میں اماں کو تنہا کیسے چھوڑ دوں۔ رفعت کے جانے کے بعد وہ بالکل اکیلی کیسے رہیں گی۔"

"وہ جانتی تھی یہ بہت ہی بودا جواز ہے۔" خالہ منور سرد آہ بھری۔

"بات تمہاری دل کو لگتی ہے۔ مگر قدرت کے اصول' فطرت کے تقاضے اس عمل کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن ہر مسئلے کا حل بھی ہوتا ہے۔ وہ تمہارے ماموں کا گھر ہے۔ اگر تم ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرتیں تو وہ اپنی بہن کو اپنے ساتھ رکھ سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ زاہدہ اپنا خرچ کرتیں۔ گھر ان کا خاصا بڑا ہے۔"

خالہ منور کے لیے کوئی بات بھی مشکل نہ تھی۔ ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا۔ وہ کافی مضبوط ارادوں کی مالک تھیں۔ ہمدرد' خیر خواہ اور ہر کسی کے کام آنے والی۔ انہوں نے اماں کا پیچھا لے لیا کہ وہ رفعت کا دلی والوں سے پیچھا چھڑائیں۔

"کیوں اس بچی کو جہیز دان میں بند کر رہی ہو؟"

مگر اماں ایک بیٹی کی منگنی ٹوٹنے کے بعد دوسری کا رشتہ توڑنے کے حق میں نہ تھیں۔ لیکن خالہ جب کچھ سوچ لیں کر کے رہتی ہیں۔ یہ طلعت کو اندازہ تھا۔

اماں نے طلعت سے مشورہ کیا۔ طلعت خوش ہو گئی کہ اماں نے اسے اس قابل سمجھا۔ ورنہ کچھ دنوں سے وہ اسے نظر انداز کر رہی تھیں۔ اس نے کہا۔

"اماں! آپ ماموں جان سے مشورہ کر لیں۔ خالہ نے ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ رفعت بھی گھبرا گئی ہے۔"

یہ نہیں کہا کہ وہ اب انڈیا جانے سے ہی انکار کر رہی ہے۔ اماں کو خدشہ تھا کہ بھائی تو ان سے پہلے ہی خفا ہیں پتہ نہیں اس معاملے میں دخل دیتے بھی ہیں کہ نہیں۔ مگر ظاہر ہے ان کے سامنے اور کوئی حل بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن خالہ منور اپنے کسی ملنے والے کے گھر چلی گئیں تو اماں نے بھی اسی وقت بھائی کے گھر کی راہ لی۔

ان دونوں کے جانے کے بعد رفعت کچن میں گھس گئی۔ اسے فارغ وقت میں نت نئی ڈشیں بنانے اور تجربے کرنے کا بڑا شوق تھا۔ طلعت نے بھی اس کی مدد کی۔ دونوں نے مل کر کئی چیزیں تیار کر لیں۔ پھر انہیں گھر کی صفائی کا خیال آیا۔

ڈرائنگ روم کو خوب سے خوب تر بنانے اور اماں سے داد وصول کرنے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ کچھ گھر کے پھولوں سے اور کچھ پڑوس سے لا کر ایک بہت اچھا گلدستہ بنایا۔ ایک زمانے میں طلعت کو شیشے کے پھول بنانے کا شوق ہوا تھا۔ دو فریم کہیں رکھے تھے انہیں جھاڑ پونچھ کر دیوار پر لگایا۔ بدرنگ دیوار کا عیب چھپ گیا۔ صوفوں کو جھاڑ کر ان کی پوزیشن تبدیل کی۔ پھر اپنے حلیے درست کیے اور باتیں کرنے لگیں۔ اماں ماموں سے مشورہ کرنے گئی ہیں۔ اگر ماموں نے مخالفت کی تو تمہارا رشتہ وہیں پر ہو گا۔" طلعت نے رفعت سے کہا تھا۔

"مجھے انڈیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر پاسپورٹ ویزا۔ پتہ نہیں آنا جانا آسان بھی ہو گا کہ نہیں۔ میں تو ابھی صاف انکار کر دوں گی۔ پہلے تو مجھے زیادہ علم نہ تھا۔ مگر ..... ماموں للن کے طور اطوار اور خالہ منور کا دکھایا ہوا سین توبہ جی۔ اپنے ملک کی تو بات ہی کیا ہے۔ ہم وہاں والوں کو جانتے تک نہیں۔ اماں نے بھی پتہ نہیں کیا سوچ کر اقرار کر لیا۔ خالہ منور بہت سمجھ دار ہیں۔ وہ احساس نہ دلاتیں تو میں تو گئی تھی چوہوں کے بل میں۔"

دونوں ہنسنے لگیں۔ گیٹ کی گھنٹی بج رہی تھی۔ خالہ منور اکیلی نہیں تھیں ان کے ساتھ تین خواتین اور بھی تھیں۔ طلعت انہیں لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ خالہ کمرے کی بدلی ہوئی پوزیشن سے بہت خوش ہوئیں۔ سب کا تعارف کروا کر طلعت سے کہا۔

"بیٹا! تم اچھی سی چائے بناؤ۔"

طلعت پھرتی سے کچن میں جا کر چائے بنانے لگی۔ دونوں نے آج رول' سموسے اور کیک بنا رکھا تھا۔ چائے لے کر آئی تو سب رفعت سے باتیں کر رہی

تھیں۔ اسی وقت اماں بھی آ گئیں۔ بہت ہی خوشگوار اور بے تکلفانہ محفل جمی۔

رات کو مہمان خواتین رخصت ہوئیں۔ ان کے چہرے پر خوشی تھی۔ ان کا بیٹا انہیں لینے آیا تھا۔ جسے خالہ منور نے چائے پلانے کے لیے اندر بلا لیا۔ سب کے جانے کے بعد خالہ نے خوش ہو کر بتا دیا۔

"یہ لوگ رفعت کو دیکھنے آئی تھیں اور اچھا ہوا کہ ان کا بیٹا بھی تم نے دیکھ لیا۔ انہیں بھی رفعت جیسی گھریلو لڑکی اور ایسے ہی سادہ گھرانے کی تلاش تھی۔"

اماں انہیں پیرانی جی کہتی تھیں' اب یہ خطاب رفعت طلعت کو بھی پسند آ گیا۔

رات کو اماں نے چپکے چپکے طلعت کو بتایا۔

"بھائی نے تو دلی والے رشتے کو پہلے بھی پسند نہیں کیا تھا۔ اسی وقت انہوں نے دلی فون کیا۔ ان کا نمبر میرے پاس تھا۔ جونہی بھائی نے کہا کہ ہم اس رشتے سے معذرت چاہتے ہیں۔ تو ادھر سے آپا صغیرہ نے تو وہ لتے لیے کہ کیا بتاؤں کہنے لگیں کہ ہم تو خود ہی اس رشتے کو ختم کرنے کا سوچ رہے تھے۔ للن میاں نے بتایا ہے کہ زاہدہ تو بہت ہی غریب ہے۔ ان کے گھر تو گوشت بھی کبھی کبھار پکتا ہے۔ ان کی بیٹی نوکری کرتی ہے جس سے خرچا چلتا ہے۔ کھانے کو ہی کچھ نہیں تو بیٹی کو دینے کا تو سوال ہی نہیں۔ لو جی ہم نے تو سنا تھا پاکستان بہت امیر ملک ہے۔ وہاں سب کے گھروں میں رنگین ٹی وی' فریج اور ہر کمرے میں قالین ہوتے ہیں۔ جہیز میں گاڑی بھی دی جاتی ہے۔ ہوٹلوں میں شاندار شادی ہوتی ہے اور ٹرک بھر کر جہیز دیا جاتا ہے۔ بھائی کو بہت غصہ آیا۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے بھی سنا ہے کہ آپ کا بیٹا معمولی سی نوکری کر رہا ہے۔ بیوی کو ساتھ نہیں رکھ سکتا اور آپ کے گھر میں چوہوں کے خاندان پل رہے ہیں۔ گندگی کا دور دورہ ہے۔ بھلا پاکستانی لڑکی کا گندگی میں کیسے گزارا ہوتا۔ بس آج سے رشتہ ختم۔"

اماں کچھ اداس تھیں۔

"دیکھا اماں! مجھے پہلے ہی شک تھا یہ للن ماموں ان لوگوں کے ایجنٹ ہیں۔ مگر یہ پتہ نہ تھا کہ اتنی غلط بیانی کریں گے۔ توبہ توبہ ہم تو انہیں کھلا کھلا کر کنگال ہو گئے۔"

"اچھا بس!" اماں نے ڈانٹا۔ "بری بات ہے۔ جو ملا ہم نے وہی کھلایا۔ اب اس کا حساب نہ کرو۔ ان کا عمل ان کے ساتھ۔ ہمارا ہمارے ساتھ ہم شرمندہ نہیں ہیں اور یہ کافی ہے۔"

دراصل انہیں توقع نہ تھی کہ یہ رشتہ اس طرح ختم ہو گا کہ دل برے ہوں گے۔ اسی لیے اداس تھیں۔

☆ ☆ ☆

مگر اگلی صبح بہت حسین تھی۔

خالہ منور کے پاس فون آیا۔ کل والے لوگوں نے بڑی محبت کے ساتھ رفعت کا رشتہ مانگا تھا۔ یہ بڑی خوشی کی خبر تھی۔ اماں نے ماموں کو فون کر دیا۔ انہوں نے ان لوگوں سے اقرار کر لیا۔ شادی رفعت کے بی ایس سی کے امتحانات کے بعد طے ہوئی۔

خالہ منور نے اماں کو مجبور کر کے طلعت کا یونیورسٹی میں داخلہ بھی کروا دیا۔

واقعی ان کے پاس کوئی صلاحیت تو تھی۔ وہ ہر کسی کو قائل کر لیتی ہیں۔ مگر طلعت کو ان کا ہر معاملے میں دخل دینا پسند نہ تھا۔ خصوصاً" سلیقہ مندی پر جو لیکچر تھے۔ طلعت بہت لاپروا سی تھی۔ کام بہت بے دلی سے کرتی تھی۔ اسی لیے اماں بھی اس سے ناخوش رہتی تھیں۔ مگر خالہ کا تو معاملہ الگ تھا۔ گھر کے کاموں سے خاص لگاؤ تھا انہیں۔ بے ضابطگی پسند نہ تھی۔

"یہ جو آٹا گوندھ کر تسلہ تم نے بغیر دھلا چھوڑ دیا ہے نا بیٹا۔ سوکھ جائے گا تو دھلنا مشکل ہو گا۔ اور تسلے کا آٹا جو کناروں پر لگا چھوڑا ہے۔ یہ دھل کر گٹر کے گندے پانی میں شامل ہو جائے گا۔ رزق کا بہت احترام کرنا چاہیے۔ یہ تسلہ آٹا گوندھتے میں ہی پانی لگا کر ہر طرف سے صاف کر لینا چاہیے۔ آٹا ہر طرف گھماؤ۔ آس پاس چپکا ہوا آٹا اس میں سمٹ جائے گا۔ ذرا سا سہی۔ مگر آٹے کی بے حرمتی ہوتی ہے کہ وہ گٹر میں ڈالا جائے۔ پتیلیوں میں ذرا سا دال چاول جو بھی لگا ہے' اسے بھی صاف کر کے رکھو۔ برتنوں کو ڈال دو۔ اچھا چلو یہ مگ اور گلاس تو فٹافٹ دھو لو۔ ہیں ہیں' یہ کیا' کہاں رکھ رہی ہو۔ جس چیز کی جو جگہ بنی ہے اسی وقت وہیں پر رکھو۔ ڈھونڈنے کی زحمت سے بچو گی۔ کیک بنایا ہے۔ اچھا اس کے برتن فوراً" کھنگال ڈالو۔ کسی میں انڈا پھینٹا ہے تو کسی میں میدہ لگا ہے۔ رات بھر کیڑے اس میں دوڑتے پھریں گے۔ ماسی تو صبح آئے گی۔ رات کے اور صبح کے برتن خاصے ہوں گے یہ اضافی برتن کیوں اسے دو گی۔ اس کا منہ بن جاتا ہے۔ چلو شاباش۔"

وہ کچھ سی رہی ہوتی تو وہاں بھی موجود۔

"سلائی اچھی ہے تمہاری۔ آخر کس ماں کی بیٹی ہو۔ مگر یہ کیا۔ سوئی یونہی چھوڑ دی۔ دھاگہ ڈال کر ریل میں پرو کر رکھو۔ سوئی بغیر دھاگے کے کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کہیں گر گرا گئی۔ کسی کے چبھ چبھا گئی۔ کسی کے کیوں خدا نہ کرے تمہارے بھی چبھ سکتی ہے۔ خوامخواہ کی تکلیف۔ سلائی تو اچھی کر لیتی ہو مشین بھی ہے۔ مگر مشین صاف نہیں کرتیں۔ کتنی گرد پڑی ہوتی ہے۔"

غرضیکہ انہوں نے بھی طلعت کو سگھڑ بنانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

پھر ان کی روانگی کا وقت بھی آ گیا۔ ان کا بیٹا انہیں لینے آیا تھا۔ رفعت کو یقین تھا۔ ان کا یہ لم ڈھینگ نما بیٹا طلعت کو دیکھنے آیا ہے۔

"جس قدر مجھ پر اعتراض کرتی ہیں۔ اس سے یہ بات نہیں ہوتا کہ مجھے پسند کر لیں گی۔" طلعت بے زار تھی۔

"تو تمہیں سلیقے کے گر سکھا تو رہی ہیں۔ اکیلی آ گئی تھیں۔ جانے کے لیے کسی ساتھی کی کیا ضرورت تھی؟" رفعت سہلانے لگی۔

☆ ☆ ☆

اماں سے خوب لپٹ لپٹ کر پھر آنے کا وعدہ کر کے خالہ منور آخر چلی گئیں اور وہی ہوا۔ جاتے جاتے وہ اپنے لمبی ٹانگوں والے بیٹے کا رشتہ طلعت کے لیے دے گئیں۔

ادھر تو اسکی بھی ایک اعلیٰ وارفع تصویری رشتہ لے آئیں۔ جسے دیکھ کر رفعت کی بھی چیخیں نکل گئیں۔

"وحشی جٹ عرف بھینسوں کا رکھوالا۔"

یہ طلعت کی رائے اس تصویری بندے کے لیے تھی اور رفعت بھی اس پر متفق تھی۔

اماں نے دونوں رشتے اس کے سامنے رکھے۔ وحشی جٹ کی اماں بھی آ کر اسے پسند کر گئیں۔

"یہ ۔۔۔۔ نہ وہ' مجھے شادی نہیں کرنی تو نہیں کرنی بس۔"

"اتنی بے حیا بے لحاظ ہو گئی ہے۔ کچھ خیال نہیں ماں سے کس طرح بات کرتے ہیں۔ اسی بے شرمی کی وجہ سے میرا بھائی مجھ سے خفا ہو گیا۔" اماں گرجنے لگیں۔

"شادی سے انکار تو بے شرمی نہیں۔ شادی پر اصرار بے حیائی ہے۔ آپ کے وہ بھائی جن کی بیٹی ان کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی تھی کہ شادی کرنی ہے تو عامر سے۔ کرنا ہے تو کریں ورنہ میں کورٹ چلی جاؤں گی۔ بہت حیادار ہے وہ اور آپ کے بھائی ۔۔۔ اماں آپ لوگوں کے قانون بھی سب کے لیے الگ الگ ہوتے ہیں۔"

اس کے تفصیلی شکوے نے اماں کی زبان بھی بند کر دی۔

"ارے ہاں یاد آیا۔" رفعت نے اچانک یاد آنے پر کہا۔ "ممانی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔ کہا ہے آج ہی آ جانا۔"

"کہاں بلایا ہے۔ پارک میں' گلی میں یا روڈ پر' اپنے گھر میں تو میرا داخلہ انہوں نے بند کر دیا تھا۔ میری یاد کیسے آ گئی۔" وہ تلخی سے بولی۔

"ہاں میرا مطلب ہے۔ گھر ہی بلایا ہے۔ فائزہ آئی ہوئی ہے۔"

فائزہ کی شادی کو چھ ماہ ہوئے تھے۔ اور وہ اس دوران

دس بار تو خفا ہو کر جیسے آچکی تھی۔ لیکن اس بار یقیناً" کچھ اور ہی قصہ تھا جو طلعت بلائی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی سے سیدھی وہ ماموں کے گیٹ پر اتری۔ وہی گیٹ تھا۔ وہی شاندار گھر' وہی بڑا سا لان۔ جس کا ترو تازہ سبزہ ہمیشہ ہی سے پسند تھا۔ کیاریوں میں پھول بھی اسی طرح لہرا رہے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ مگر اس کے دل کا موسم بدل چکا تھا۔ مستقل خزاں کے ڈیرے تھے اور اداسی کا تسلط۔

لاؤنج میں ممانی مل گئیں۔ فائزہ بھی وہیں تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ فائزہ کی طرف بڑھی۔ اسے گلے لگانا غضب ہو گیا۔ وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر روئی جیسے کوئی مر گیا ہو۔

"ارے ارے کیا ہو گیا فائزہ۔" وہ بوکھلا گئی۔

"وہی عامر کی اماں کی ضد کہ فائزہ گھر کے کام کرے۔ بھئی وہ اسے برداشت کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔" ممانی اسے کوئی نیا واقعہ سنا رہی تھیں کہ ماموں آ گئے۔

"یہ؟" انہوں نے ابرو چڑھا کر کہا۔ طلعت کے سلام کو نظر انداز کر دیا۔ طلعت کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ ماموں پہلے سے غصے میں تھے۔ یا اسے دیکھ کر مشتعل ہو گئے تھے۔

"میں نے بلایا تھا۔" ممانی نے گواہی دی۔

"وہ کیوں؟" ماموں چڑ گئے۔ طلعت ماتھے کا پسینہ خشک کرنے لگی۔ فائزہ کا رونا کم ہو گیا تھا۔ وہ اب سسکیاں لے رہی تھی۔

"دوست ہے فائزہ کی' فائزہ اس کی بہت مانتی ہے۔" ممانی یاد دلانے والے انداز میں کہہ کر ماموں کو شاید ٹھنڈا کرنا چاہتی تھیں یا اپنے اقدام کی داد۔

"دوست؟ ہونہہ ایسوں سے دوستی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔" وہ گرجے۔

طلعت کا پسینہ اب گردن پر بہہ رہا تھا۔ مگر وہ خوف زدہ نہ تھی۔

"ممانی آپ کو یاد ہو گا۔ میں نے شادی سے پہلے بھی فائزہ کو کتنا سمجھایا تھا۔ عامر بھائی کی امی ٹیڑھی کھیر ہیں۔ تمہیں ان چاہی بہو بن کر رہنا پڑے گا وہ ہر قدم پر رکاوٹیں کھڑی کریں گی۔ فائزہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ..... والدین کی مرضی کے بغیر شادی کر کے خوش نہیں رہ سکتیں۔ ماں باپ کے تجربے کا احترام کرو۔ تمہارا یہ فیصلہ تمہیں پریشان کرے گا۔ ماموں کی بات مان لو مگر۔"

"ہونہہ' جو خود ماں باپ بزرگوں کے فیصلے کو رد کر دے۔ وہ کیا نصیحت کرے گا۔"

ماموں اندر چلے گئے۔ طلعت کا پسینہ اب کمر کو بھگونے لگا۔ کتنے عرصے بعد ماموں کا سامنا ہوا تھا اور وہ اب بھی اتنے ہی خفا تھے۔ ممانی بھی کب خوش تھیں۔ فائزہ کی وجہ سے اسے بلانے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ ورنہ انہوں نے بھی کافی عرصہ طلعت کے خلاف محاذ بنائے رکھا تھا۔ نازیبا الزامات عائد کر کے سارے خاندان کو اس سے متنفر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"طلعت! تم فائزہ کو کمرے میں لے جاؤ۔ اسے سمجھاؤ۔ رونا دھونا بند کرے۔ اب تو یہ زندگی بھر کا مسئلہ ہے۔ جو بویا ہے' اسے کاٹنا ہے۔"

ممانی کے درد بھرے لہجے سے طلعت گھبرا گئی۔ اور بوکھلا کر پوچھا۔

"فائزہ! ہوا کیا ہے؟"

"عامر نے اسے گھر سے نکال دیا ہے۔" ممانی ہی بول رہی تھیں۔ فائزہ صرف رو رہی تھی۔

"کہتا ہے۔ میری ماں کی خدمت کرو۔ کھانے پکاؤ۔ جو کام اماں کرتی ہیں تمہیں بھی کرنے پڑیں گے۔ میری اتنی آمدنی نہیں کہ تمہارے لیے خانساماں رکھوں۔ جب تمہارا دماغ درست ہو جائے تو آجانا۔ اماں سے معافی مانگ کر ہی گھر میں جگہ ملے گی۔"

ممانی تفصیل سنا رہی تھیں۔ وہ ٹکر ٹکر فائزہ کو تک رہی تھی۔ اتنی سی بات پر گھر چھوڑ کر آ گئی۔ معافی مانگنے میں کیا قباحت تھی۔ یقیناً" عامر نے پہلے یہ شرط رکھی ہو گی۔ معافی مانگو اور یقیناً" فائزہ نے ان کے

ساتھ کوئی بد سلوکی یا بد تمیزی کی ہو گی۔ اگر فائزہ شروع سے اپنی پوزیشن کا اندازہ کر کے ساس سے تعاون کا رویہ رکھتی تو معاملہ اتنا خراب نہ ہوتا۔ فائزہ ضدی تھی۔ مگر اپنی خوشیوں کے لیے خود بھی تو جھکنا چاہیے۔

"میں چاہتی ہوں تم عامر سے ملو۔" ممانی نے اس کے بلائے جانے کا جواز پیش کیا۔

"وہ انتہا پر ہے۔ بھئی فائزہ کو کچن سے الرجی ہے۔ اس کی اماں اب تک خود ہی کھانے پکاتی رہی ہیں۔ تو اب انہیں کیا ہوا ہے۔ اماں سے الگ وہ رہ نہیں سکتا۔ اکلوتا جو ہے۔ الگ گھر نہیں کر سکتا آمدنی کم ہے تو آخر بیوی کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔"

سوچنا تو چاہیے تھا فائزہ کو بھی۔ وہ تو اپنی حیثیت کھول کر بیان کر چکا تھا۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ ایک اوسط درجے کا ملازم' آئے روز ہوٹلنگ کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس وقت فائزہ کا دل محبت کے جھولے جھول رہا تھا۔

طلعت نے اسے سمجھایا تھا کہ جن سہولتوں کی تم عادی ہو۔ جیسی آزاد زندگی گزار رہی ہو۔ عامر ان میں سے کوئی شرط پوری نہیں کر سکے گا۔ عامر نے کوئی بلند بانگ دعوے نہیں کیے تھے۔ کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ اپنی زندگی اور خوشیوں کے لیے اپنی ماں کی خوشنودی کا وعدہ خود فائزہ سے لیا تھا۔ اس وقت فائزہ کو ہر عمل آسان ہر راستہ روشن نظر آ رہا تھا۔

"میں گزارہ کر لوں گی۔" یہ اس کا ہر اعتراض پر جواب تھا۔

طلعت نے اسے عامر کی اماں کے رویے کا احساس دلایا تھا۔ جو اکلوتے بیٹے کی اس کی اپنی پسند کی شادی پر رضامند نہ تھیں۔ کیونکہ انہیں فائزہ اپنے گھر کے لیے مناسب نہیں لگی تھی۔

"طلعت!" فائزہ نے سر اٹھا کر اسے سرخ آنکھوں سے دیکھا۔ "کیا محبت حیثیت دیکھ کر کی جاتی ہے؟ مجھے علم غیب نہ تھا جو میں جان سکتی۔ مگر امی پاپا کو تجربہ تھا بقول تمہارے۔ وہ بہت جہاں دیدہ ہیں۔ کیا انہیں علم غیب تھا۔ اگر تھا تو انہوں نے مجھے کیوں نہ روکا۔ کیوں مجبور نہ کیا۔ میں ضد کرتی ہوں۔ تو کیا یہ ہر ضد پوری کر دیں گے؟ میں کنویں میں کودنا۔ کھائی میں گرنا چاہوں گی۔ تو یہ مجھے روکیں گے نہیں؟ یا میری ضد کو بہانا بنا کر مرنے دیں گے۔ انہوں نے خود مجھے کھائی میں دھکا دیا ہے۔" وہ ابل پڑی۔

"دیکھا' دیکھا اب یہ ہمیں اپنی بربادی کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہے۔" ممانی تلملا گئیں۔

"ہاں تو پھر آپ جو مجھے ہی سمجھاتے رہے کہ وہ تمہیں کچھ نہیں دے گا۔ وہاں تمہیں تکلیفیں ہی ملیں گی۔ میرے بجائے اگر آپ عامر سے مل کر اس کو بتاتے کہ آپ کی بیٹی کی کیا ڈیمانڈ ہے۔ وہ جو زندگی گزار رہی ہے۔ تم اسے وہ سب دے سکتے ہو تو ہم شادی کریں گے۔ ورنہ جب تم کچھ کر کے دکھاؤ گے تب آنا مگر انہوں نے عامر سے بات کرنا گوارا نہ کیا۔ میں تین سال دو سال انتظار کر لیتی۔ عامر بھی تو یہی کہتے ہیں کہ دو چار سال..... بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے۔ مگر ان کی اماں جان ہیں انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہیں۔ ہر وقت نصیحت' ہر بات پر اعتراض۔ عامر کو یہ سب نظر نہیں آتا۔ انہیں بس وہ نظر آتا ہے جو میں کرتی ہوں۔"

"ممانی! آپ جائیں میں فائزہ سے بات کرتی ہوں۔" طلعت نے ممانی کو ٹالا۔ ورنہ ان کی دخل اندازی معاملہ اور خراب کر دیتی۔

"دیکھو فائزہ! اکڑ دکھانے سے تم کسی کو قائل نہیں کر سکتیں۔ اگر صرف معافی ہی تمہیں اس گھر میں جگہ دلا سکتی ہے تو یقین کرو۔ دلوں میں گھر کرنے کے لیے بس ایک معافی ہی کافی ہے۔ تم سہولت اور آرام سے ساس سے کہو میں آپ سے معافی چاہتی ہوں اور میں کام کرنے کی عادی نہیں۔ آپ سکھائیں گی تو سیکھ لوں گی۔ فائزہ! مائیں بہت نرم دل ہوتی ہیں۔ تم ذرا سا جھکو گی تو وہ تمہارا صدقہ اتاریں گی۔"

"نہیں ہیں وہ نرم دل۔ بیٹے کی محبت کا ڈھونگ

رہ جاتی ہیں اور بس۔ میرے لیے تو وہ تلوارِ بے نیام ہیں۔ معافی مانگنے کی مجھے عادت نہیں اور سیکھنا میری سرشت میں نہیں۔ میں طلاق لوں گی۔"

فائزہ بھی ضدی تھی۔ اسے اپنے نقصان کا اندازہ تھا ہی نہیں۔ طلعت کو افسوس ہوا۔ کاش خالہ منور ہوتیں تو وہ فائزہ کو سمجھا سکتی تھیں۔ سکھا بھی سکتی تھیں۔ کتنا غلط فیصلہ تھا اس کا۔

"دیکھو ابھی تمہیں غصہ ہے۔ غصہ اتر جائے تو ٹھنڈے دل سے سوچنا۔ ماموں، ممانی نے تم کو ہر نقصان سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے خوشی سے تو یہ فرض ادا نہیں کیا۔ اگر کھائی میں دھکا دیا بھی ہے تو تمہارے اصرار پر بے دلی اور مجبوری سے۔ تم تو کورٹ میرج کی دھمکی دے رہی تھیں۔ ماموں کی رسوائی کا سامان کر رہی تھیں۔ پھر وہ کیا کرتے؟ عامر سے کہتے کہ تم چار سال بعد آنا؟"

"اور تم؟ اپنی بھی بات کرو۔ تم نے بھی ضد کی تھی۔ انکار کر کے کوئی عزت نہیں کمائی۔ کیا کمی تھی بھائی میں؟"

طلعت دم بخود رہ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس موقع پر فائزہ اس پر طنز کر سکتی ہے۔ وہ چپ سی ہو گئی۔ پھر ہمت کر کے آہستہ سے بولی۔

"میں نے ماں باپ کو بے عزت نہیں کیا۔ بس میں بری تھی۔ مزید بری بن گئی۔ دراصل میں ہی تمہارے بھائی کے لائق نہ تھی۔"

اس کا دل پژمردہ ہو گیا۔ جتنا وہ سمجھانا چاہتی تھی، سمجھا دیا۔ پھر وہ رکی ہی نہیں۔ اس گرم تپتی دوپہر میں ٹھنڈے لاؤنج سے نکل کر گیٹ پر آ گئی۔ لان کا سبزہ کیاریوں کے پھول اسے بلاتے رہے۔ مگر اب کسی چیز میں دلچسپی نہ رہی۔ سڑک پر درخت کے نیچے ایک رکشہ کھڑا تھا۔ اسے منزل پر لے جانے کے لیے۔ گھر پہنچ کر بے دم سی پلنگ پر لیٹ گئی۔

دن ڈھل رہا تھا۔ مگر دھوپ کی تپش جوں کی توں موجود تھی۔ اس کا پورا وجود جھلس رہا تھا۔

"تھک گئی ہو۔ اتنی گرمی میں آنے کی کیا آفت تھی۔ شام کو آ جاتیں۔" اماں اسے لیٹا دیکھ کر پنکھا تیز کرنے آ گئیں۔

"کوئی روکتا تو رک جاتی ناں شام تک۔" رفعت برآمدے سے بولی تھی۔ رفعت کے اندازے اس نے کسی کو روکے جانے کا مرقعہ ہی کب دیا۔

"کیوں بلایا تھا بھابی نے؟" سوال بہت عام سا تھا مگر اماں کے چہرے پر خاص قسم کی تشویش تھی۔

"فائزہ سے ملنے کے لیے۔" طلعت نے جواب بھی عام سا دیا "مل لی تو آ گئی۔"

"کسی نے روکا بھی نہیں؟" اماں کو رفعت کے اندازے کا یقین نہ تھا۔

"ماموں میری شکل سے بیزار ہیں۔ میں کیوں رکتی؟"

"تو تم نے کام ہی ایسا کیا تھا۔" اماں اس کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھ رہی تھیں۔

"تو کیا فائزہ نے بھی نہیں روکا؟" رفعت اندر آ گئی۔

"جس سے ملوانے کے لیے خصوصی آرڈر ملا تھا یا پھر بقول شاعر اس نے روکا بھی نہیں اور میں ٹھہرا بھی نہیں۔ حادثہ ایسا تھا کہ پتہ نہیں آگے کیا تھا۔ غلام علی نے بہت اچھا دل لگا کر گایا ہے۔" رفعت گنگنانے لگی۔

"غلام علی نے نہیں۔ غلام عباس نے۔" بے ساختہ جواب دے کر وہ چڑ گئی۔ "تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ کوئی روکتا۔ تب بھی رک کر کیا لیتا تھا مجھے وہاں سے۔ برائی کے سوا۔"

"فائزہ کیسی ہے۔ اب کتنے دن کے لیے آئی ہے؟" رفعت اس کے جواب کو ٹال گئی۔

"شاید ہمیشہ کے لیے۔ طلاق لینے کا کہہ رہی تھی۔"

طلعت نے رفعت کو حیران کر دیا تھا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے افسوس کا اظہار کر رہی تھی۔ شکر ہے اماں نے نہیں سنا۔ ورنہ انہیں بہت دکھ ہوتا۔

"خالہ منور ہوتیں ناں۔ فائزہ کی ایسی خبر لیتیں کہ

"رفعت کو بھی خالہ یاد آئیں۔

☼ ☼ ☼

اس دن کے بعد سے نہ ان لوگوں کا ماموں کے گھرانے سے رابطہ ہوا نہ ان لوگوں نے کوئی خبر دی۔ طلعت یونیورسٹی، رفعت کالج کی پڑھائی۔ اماں پڑوس کی لڑکی کی شادی کے کپڑوں کی سلائی۔ دوپٹے میں گوکھرو کے جال بنانے میں الجھی رہتیں۔ طلعت سلائی میں ان کی خاصی مدد کر دیتی تھی۔ رفعت رات کا کھانا پکا لیتی۔ ان دنوں کوئی مہمان رہنے کے لیے آیا بھی نہیں۔ کبھی کبھی خالہ منور کا فون آ جاتا۔ رفعت کے پیپرز کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی۔ اتنی مصروفیت کے باوجود محلے کے چند بچوں کی ٹیوشنز بھی مل گئیں۔ اور بے حد تیز رفتار زندگی نے دن اور رات کا فرق بھی مٹا دیا۔ کبھی رفعت کی ساس کا فون بھی آ جاتا وہ بہت ہمدرد اور بااصول خاتون تھیں۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ بس خیریت معلوم کرو اور ٹھک فون بند۔ اماں کے شکوے پر انہوں نے کہا۔

"ہم بار بار آپ کو تنگ نہیں کریں گے بس ایک بار تاریخ طے کرنے آئیں گے پہلے سے بتا دیں گے۔ تعلق قائم ہو گیا ہے۔ رشتہ مضبوط کرتا ہے۔ بار بار آ کر اپنی شکل دکھانے کا فائدہ کوئی نہیں۔"

یہ ان کا اصول تھا یا قاعدہ۔ لیکن فون ان کے گھر کے سب کے آ ہی جاتے۔ دو چار منٹ بات بھی ہو جاتی۔ کبھی کبھار مارکیٹ وغیرہ میں یا سر، اس کی بہن اور بھابی سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ رفعت مطمئن تھی۔ طلعت خوش۔ بہت سادہ لوگ تھے۔

ان ہی دنوں اچانک انہیں شہزاد کی شادی کی خبر ملی۔ لڑکی کراچی کی تھی۔ شہزاد کی جاب بھی کراچی میں تھی۔ ماموں، ممانی شادی کرنے خود ہی کراچی چلے گئے۔ اماں کے لیے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ اماں تو گم صم ہو گئیں۔ انہیں اپنے بھائی سے اس سنگدلی اور بے مروتی کی امید نہ تھی۔ ماموں نے بلانا تو کجا انہیں خبر تک نہ دی۔

اماں کئی دن شاک کی کیفیت میں رہیں۔ طلعت نے ان کے دکھ پر اپنی محبت کا مرہم رکھنا چاہا۔ مگر وہ اس سے بھی خفا تھیں کہ اسی کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔ چند دن بعد خالہ منور کا فون آیا۔ خفگی اور شکوے بھرا۔

"اکلوتے بھتیجے کی شادی میں بھی نہیں آئیں تم۔ ورنہ لینا پڑتا کراچی کے لیے۔ میں تو ہر فنکشن میں تمہیں اور بچیوں کو ڈھونڈتی رہی۔ مہندی آئی بارات گئی ولیمہ ہوا اکلوتی پھپھو غائب۔ ریاض کی بیوی سے پوچھا تو آئیں بائیں شائیں۔ کہا تو یہ کہ بچیوں کو کس پر چھوڑ کر آتیں۔ ارے بھئی بچیوں نے کیا قصور کیا تھا۔ انہیں بھی لے آتیں۔ لو اور سنو۔"

"کیا! رفعت کے کالج میں فنکشن تھا۔ اسے چھٹی نہیں ملتی۔ طلعت کا آپ کو پتا ہے۔ وہ تو یونیورسٹی میں اس طرح گم ہے کہ اسے آس پاس کی خبر نہیں۔"

بہانے تو اماں نے خوب گھڑے مگر دیر تک پلو سے آنکھیں پونچھتی رہیں۔ روتی جاتیں۔ بستر کی چادر جھٹکتی جاتیں۔ اس رات عشاء کی نماز کے بعد دعا کے لیے اٹھے ہوئے ان کے ہاتھ چہرے سے الگ ہی نہ ہوئے۔ رفعت نے ان کو اٹھایا۔

طلعت بھی ایک الجھن میں گرفتار تھی۔ سونے کے لیے لیٹی تھی مگر روز کی طرح آج فوراً نیند نہ آئی۔ فوراً کیا آتی۔ وہ تو جیسے روٹھ ہی گئی تھی۔ خیالات کا ہجوم اور بے چینی۔

"شہزاد کی شادی مجھ سے جان چھڑانے کا بہانہ مجھے ہر جگہ بدنام کروایا۔ وہ اتنا جھوٹا دغاباز۔"

مگر وہ جس شہزاد کو جانتی تھی وہ بہت بامروت، ہمدرد اور محبت کرنے والا تھا۔ خاندان کے تمام لوگوں سے اس کے مراسم تھے اور وہ بہت ہر دل عزیز اور نیک نام تھا۔

"تو کیا وہ کسی اور سے۔" کئی برسوں سے تو وہ اور طلعت منگنی کے رشتے میں منسلک تھے۔ شہزاد کی جاب اور طلعت کی تعلیم کے مکمل ہونے پر ان کو مضبوط بندھن میں باندھے جانے کا چرچا تھا۔ مگر ہوا کیا؟

بند آنکھوں میں چبھن سی تھی۔

اس نے کبھی عام لڑکیوں کی طرح سنہرے خواب نہیں دیکھے تھے۔ شہزاد سے کوئی توقعات بھی وابستہ نہیں کی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ شہزاد اس سے محبت کرتا ہے۔ نسبت طے ہونے سے پہلے سے۔ ممانی کو اعتراض تھا مگر ماموں کی بھی خواہش تھی اور شہزاد کی بھی۔ اس لیے یہ رشتہ زبانی کلامی سہی مگر طے تھا اور سب کو علم بھی تھا۔ بظاہر کوئی رکاوٹ تھی بھی نہیں۔ طلعت شہزاد کی محبت کی معترف تھی۔ مگر خود اس نے کبھی کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ شہزاد سے بہت کم گفتگو کرتی اور مگن رہتی کہ وہ اس کی قسمت کا ستارا ہے تو ہے۔ بعد کی بعد میں دیکھیں گے۔

وہ اس روز کے سارے واقعات سمیٹ کر ایک منظر تلے لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رات کالی گزر گئی تھی۔ سناٹا، تاریکی۔ مگر وہ مناظر۔ وہ بہرحال ایک عام دن تو نہ تھا۔ بہت ہی خوشگوار موسم ہوا میں تھوڑی خنکی تھوڑی نمی۔ آسمان پر بڑے بڑے بادلوں کے جھرمٹ۔ یوں جیسے سمندر میں اسٹیمر ہولے ہولے سفر طے کرے۔ ہوا میں تازگی اور بہار کے شگوفوں کی مہک تھی۔

رفعت بہت دن سے اسے شرمندہ کر رہی تھی کہ وہ پھیلتی جا رہی ہے۔ ایک دن ایسا ہو گا کہ وہ عابدہ پروین کے نام سے مشہور ہو جائے گی۔ اور اس میں حرج بھی کیا تھا۔ شہرت بری چیز نہیں۔ عابدہ پروین اس کو پسند بھی تھی۔ مگر جب رفعت نے اسے مہناز کا مقابلہ کر رہی ہو کہہ کر چڑایا تو وہ سچ مچ ڈر گئی۔ کیونکہ اس نے مہناز کو دس سال پہلے گاتے دیکھا تھا اور اب؟ دس گنا زیادہ پھیلاؤ۔

گھر کے نزدیک جو پارک تھا۔ وہاں دونوں شام گزارتیں۔ طلعت جوگنگ کرتی۔ رفعت بینچ پر بیٹھی رہتی۔ طلعت چکر پورا کر کے آتی۔ گزرتے ہوئے ہاتھ ہلاتی مگر رفعت اپنی جگہ بیٹھی رہتی۔ اور اپنے پاس بیٹھی لڑکی یا کسی خاتون سے محو گفتگو ہوتی۔ ایک دن طلعت نے پوچھ ہی لیا۔

"وہ کون تھی جس سے تم اس قدر سر جوڑے خودی کے عالم میں بکواس کر رہی تھیں۔ مجھے دیکھا تک نہیں۔"

"میں بکواس کر نہیں رہی تھی سن رہی تھی۔"

"ہاں تو کون سی سہیلی تھی تمہاری۔ ہر روز ایک ال عورت ہوتی ہے۔"

"وہ... ہاں وہ بھی میری جیسی ہم نوا تھی۔"

"ہم نوا؟؟"

"ہاں... وہ جو قوالوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ میاں قوال اور ہمنوا۔ فلاں قوال اور ہم نوا۔ میں ہوں تمہاری ہم نوا اور وہ تھی مسز قادری کی بھتیجی عرف ہم نوا۔ جو بس کسی کا ساتھ دینے آتے ہیں اور بور ہوتے ہیں۔"

اگلے دن سے ہی طلعت نے اپنی ہم نوا کو بور ہونے سے بچانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اکیلی ہی پارک جانے لگی۔ مگر دو تین چکر لگا کر ہی تھکن غالب آ گئی۔ حالانکہ رفعت کی موجودگی میں وہ پانچ چکر لگا لیتی تھی اور تھکتے تو کیا یہ ہمنوا اور اس کی موجودگی طاقت و تقویت پہنچاتی تھی؟ اس نے رفعت سے ذکر کیا تو وہ بولی۔

"میں گلوکوز کی ڈرپ کی طرح تمہاری رگوں میں دوڑتی ہوں۔ ہم نوا کا یہی کام ہوتا ہے قوالوں کے ہمنوا بھی ان کی تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ جہاں قوال کی آواز کم ہوئی۔ ہمنوا نے امدادی آوازیں اونچی کر دیں۔"

رفعت حاضر جواب بھی تھی اور حاضر دماغ بھی۔

طلعت نے مگر اس کے بعد بھی اسے لے جانے سے گریز کیا۔ البتہ مسز قادری کی ہمنوا اکیلی بیٹھی بور ہوتی رہتی۔ تو یہ اس دن کا ذکر ہے۔ جب موسم بہت خوب صورت تھا۔ شام سنہری ہو چکی تھی۔ بادلوں کے کناروں پر سورج کی کرنوں کی نارنجی گوٹ لگی ہوئی خوشنما لگ رہی تھی۔ فضا گلابی گلابی ہو گئی۔ پرندے دھیمی پرواز میں اڑتے اپنے ٹھکانوں کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بینچ پر بیٹھ کر موسم کا لطف لے رہی تھی اور مسز قادری کا انتظار کہ آج ان کی ہمنوا ساتھ نہیں آئی

تھی۔ تب ہی ایک سایہ سا اس کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ پھر دھم سے بینچ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔

شہزاد پوری سنجیدگی سے سامنے کھڑا تھا۔ "سنو مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ یہاں سے ادھر کہیں... "اس نے کونے میں رات کی رانی کے جھنڈے سامنے رکھی بینچ کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر چلتے ہیں۔"

"آپ گھر ہو کر آئے ہیں؟"

"نہیں مجھے معلوم تھا۔ تم اس وقت پارک میں ہوتی ہو۔"

شہزاد کے لہجے میں کچھ تھا۔ چونکا دینے والا۔ اس کے چہرے پر بھی ایک خاص کیفیت تھی۔ کشمکش۔ الجھن، کہنے نہ کہنے کے درمیان والی۔ کہہ دینے کے نقصان اور نہ کہنے کے ضرر کا تقابل کرتی۔

"کہیے۔" وہ ان کے طویل وقفے سے ڈر گئی۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔" کہا بھی تو کیا "اور تم ایم اے کر چکی ہو۔"

پھر خاموشی کا طویل وقفہ۔ "چلو اس کونے میں..." پھر اصرار ہوا۔

وہ اٹھ کر رات کی رانی کے جھنڈ کے قریب بینچ پر آ گئی۔ یہاں لوگ نہیں تھے اور وہ جہاں پہلے بیٹھی تھی۔ گزرگاہ تھی۔ شہزاد کا وجود ایک چٹان کی مانند ساکت تھا۔ یہاں سناٹا تھا اور قدرے ملگجی چادر سی فضا میں تن گئی تھی۔ سورج اس حصے سے منہ موڑ چکا تھا۔

"آپ بھی بیٹھ جائیں۔" اس کی خاموشی سے اکتا کر اس نے کہا تھا۔ وہ اس سے ذرا سا فاصلہ رکھ کر بیٹھ گئے۔

"میں یہ بات گھر پر نہیں کر سکتا تھا اس لیے ادھر آ گیا۔ دیکھو طلعت!" پھر خاموشی کا وقفہ۔ "تم کو علم ہو گا۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق کزنز میرج کے کتنے نقصانات ہیں۔"

اب ان کی نظریں سرو کے پیڑوں کی چوٹیوں پر جم گئیں۔ طلعت سنبھل کر بیٹھ گئی۔ یہ تو کوئی اور ہی کہانی ہے۔ اس کے خیال سے مختلف۔

"پتا نہیں ہمارے خاندان والوں نے... اس پر کبھی غور کیا تھا۔ یا ضرورت نہیں سمجھی۔ پاپا اور امی سیکنڈ کزن۔ میں اور تم فرسٹ کزن، ہمارے نانا نانی، دادا دادی بھی سیکنڈ یا تھرڈ کزن غرضیکہ ایک ہی سرکل میں پورا خاندان گھومتا رہا۔ تم سن رہی ہو؟" اس کی خاموشی انہیں چونکا گئی۔

"جی، جی، سن رہی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔ ان سے باتیں تو پہلے بھی کم ہی کرتی تھی۔

"صرف سنو ہی نہیں سمجھنے کی کوشش بھی کرو۔" پھر چند لمحے سوچنے میں لگا دیے۔ "پاپا کا خیال ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہماری شادی ہو جائے۔"

وہ قدرے گردن موڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا چہرہ اب شام کی سیاہی کی نقاب میں تھا۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ اپنی شادی کی تیاری کے لیے وہ اس پارک میں نظر آ رہی تھی۔

"ایسا ہے کہ میں ابھی خود کو تیار نہیں پاتا۔ اس اہم اور نازک ترین مسئلے پر غور کر کے... کوئی فیصلہ کروں گا۔ لیکن میں تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جس کا تعلق ہمارے مستقبل سے ہے۔ طلعت میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ہمیشہ سے۔ اس محبت کا تقاضا ہے کہ تمہیں اس خوفناک حقیقت سے لاعلم نہ رکھوں۔ ہمارے بزرگوں نے جو فیصلے کیے۔ میں نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ جتنا لاعلم میں تھا اتنا ہی وہ لوگ بھی۔ شاید کسی نے غور نہیں کیا۔ یا تہہ میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ میرے ماموں کی نواسی ایب نارمل ہے۔ خالہ کا بیٹا نابینا تھا۔ اللہ نے رحم کیا۔ وہ تو بیمار ہو کر گزر گیا۔ خالہ کو جو صدمہ ہوا۔ وہ اسے بھول ہی نہیں پاتیں۔ حالانکہ زندہ رہ کر وہ ان کے کسی کام کا نہ ہوتا... اس کا فیوچر کیا ہوتا۔ خالہ اس پر غور نہیں کرتیں۔ تو مطلب یہ کہ میں اس شادی کے لیے خود کو آمادہ نہیں کر پا رہا۔ آئندہ کے مناظر تصور میں آ کر ڈراتے ہیں۔ میں اتنا خوفزدہ ہو گیا ہوں کہ... شاید بزدلی اسی کو کہتے ہیں کہ انسان آنے والے کل سے ڈرتا ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں مگر تا رہوں

گا۔ اس محبت میں کبھی کسی اور کو شامل نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اس قابل ہوں ہی نہیں۔ تم سمجھ رہی ہو میں شادی نہیں کر سکتا.... میں تمہاری زندگی چاہتا ہوں۔ میں تمہیں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

طلعت کے دماغ میں پھل جھڑیاں سی لپک رہی تھیں۔ ایک نہ سمجھنے والی کیفیت نے اسے کہیں گم کر دیا۔ کیوں؟ کیوں؟ وہ سوال نہیں کر سکی۔ وہ کسی گرم لو کی زد میں آ گئی تھی۔ بینچ سے اٹھی پھر لڑکھڑا گئی۔ شہزاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بینچ پر بٹھا دیا۔

"میں چاہتا ہوں۔ اس خطرناک وادی میں داخل ہونے کا رسک نہ لو۔ تم خود اس شادی سے انکار کر دو۔ اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔ میرا انکار.... پاپا کبھی قبول نہیں کریں گے۔ میں اس راستے سے الگ ہونا چاہتا ہوں، جو ہمیں منزل پر نہیں کسی اندھے غار کی تہہ میں پہنچا دے گا۔ تنہائی اور خوف کا ناگ ہمیں ڈس لے گا.... میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے سوا.... اور کوئی راستہ نہیں۔ میرے دل پر صرف تمہارا نام لکھا ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔"

طلعت کے سامنے ہر چیز دھندلی ہو رہی تھی۔ جھاڑیوں میں سانپ پھنکارنے لگے۔ سبز پہاڑی پر نوکیلے کانٹے سے اگ آئے۔ ڈھلتا سورج اچانک نصف النہار پر آکر آگ برسانے لگا۔

"تم پھپھو کو.... خود ہی انکار کر دینا۔ بس اتنا ہی کہنا تھا۔"

طلعت آتش غضب سے انگارہ بن گئی۔ "آپ' آپ خود اماں سے...."

"میں' انہیں' میں بزدل ہوں۔ میں تمہاری زندگی جہنم بنانا نہیں چاہتا۔ میں اس اہم ذمے داری کے قابل نہیں ہوں۔"

شہزاد اچانک اٹھ کر گیٹ کی طرف چل دیا۔ خون کی تیز گردش۔ دماغ سے اٹھتے گرم شعلے اور دل کی ناقابل بیان دھڑکن۔ اس کا جسم شل ہو گیا۔ پارک میں چند ہی لوگ رہ گئے تھے اور اب وہاں لائٹیں آن ہو گئی تھیں۔ وہ کبھی اتنی دیر پارک میں نہیں ٹھہری تھی۔ نہ جانے کس طرح اس نے خود کو سنبھالا اور دس منٹ کا راستہ آدھے گھنٹے میں طے کیا۔ گھر پہنچی تو رفعت نے بگڑنا شروع کر دیا۔

"اتنی دیر؟ پارک میں کیا ریوڑیاں بٹ رہی تھیں جو تم لوٹنے لگیں؟ اماں' ماموں کے ہاں گئی ہیں کہہ رہی تھیں' ابھی دس منٹ میں طلعت آجائے گی۔ یہ دس منٹ ایک گھنٹے کیسے ہو گئے۔ شہزاد بھائی آئے ہوئے ہیں ناں۔ ان سے ملنے گئی ہیں۔" ایک سانس میں سوال بھی جواب بھی اطلاع بھی۔

وہ کرسی پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ رفعت پریشان ہو گئی۔ "کیا ہو گیا تمہیں؟"

وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ کمرے میں جا کر بستر پر گر گئی۔ دو دن اس نے اپنی پہلی پہلی محبت کا سوگ منایا۔

رفعت نے کہا۔ "طلعت کو چپ کی بیماری ہو گئی ہے۔"

وہ واقعی گم صم ہو گئی تھی۔ ہر وقت سوچ میں گم۔ بات کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اماں اور رفعت کو باتیں کرتا دیکھتی اور کچھ کہنا چاہتی۔ مگر کیا کہے؟ الفاظ کہیں گم ہو جاتے۔ زبان اٹک جاتی۔

ماموں ممانی اور فائزہ آئے۔ مٹھائی اور فروٹ کے ساتھ۔ اماں کی خوشی ان کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔ زندگی بھر انہوں نے دکھ جھیلے تھے۔ بیٹے سے محرومی کا غم الگ تھا۔ ابا کے بعد تو اماں پر صدمے کا پہاڑ آ گرا تھا۔ دو بیٹیوں کی پرورش۔ تعلیم و تربیت مگر بہادری اور عزم کے ساتھ انہوں نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔ اوپر کا پورشن درست کروا کے کرائے پر اٹھا دیا۔ خود مشین لے کر بیٹھ گئیں۔ اپنے بھائی سے بھی کبھی کچھ طلب نہ کیا۔ ماموں کی یہ مہربانی کیا کم تھی کہ انہوں نے شہزاد کے لیے طلعت کو مانگ لیا تھا گو کہ ممانی کے ماتھے کے بل ان کی ناراضی کے غماز تھے۔ مگر اماں کو ان کی ناگواری کبھی نظر نہ آئی۔ باقاعدہ منگنی کی تو ضرورت نہ تھی۔

شہزاد لاہور میں تھا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کا

طالب علم۔ جب بھی آتا پھپھو سے ضرور ملنے آتا۔ رفعت اس کی چہیتی تھی۔ طلعت کبھی اس سے بے تکلف نہ ہوئی۔ مگر اس کی لندپر اس کے چہرے کی خوشی کسی سے نہ چھپتی۔ ماموں نے کہا کہ بی اے کرلیا تو اب گھر بیٹھ کر گرہستی کے گر سیکھے اور وہ گھر بیٹھ گئی۔ شادی کے انتظار میں اور اب..... ماموں تاریخ طے کرنے آگئے تھے۔ رفعت نے فائزہ کو ٹھوکا تھا۔

"شہزاد بھائی کو بھی لے آتیں۔"

"وہ شرمارہے تھے' انکار کردیا۔" فائزہ نے بتایا۔

اور وہ جو انتظار کررہی تھی کہ وہ خود انکار کرے تو..... میں اپنی اماں کو کیوں رنجیدہ کروں۔ وہ بزدل۔ کم ہمت انسان اپنے ماں باپ کو یہاں بھیجنے سے نہ روک سکا۔ اپنی ذمے داری میرے سپرد کرکے خود منہ چھپا کر بیٹھا ہے۔ اگر میں بھی..... کچھ نہ بولوں۔ شادی بھی ہو جائے۔ وہ کیا کرے گا؟ خفا ہوگا۔ چیخے چلائے گا بس..... یا پھر مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

پھر..... لوگ مجھے ہی موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ اس لیے کہ ہمیشہ عورت ہی ہر خرابی کی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی ہے۔ ہائے اللہ۔ اماں تو جیتے جی مرجائیں گی۔ تو کیا اماں کے وجود سے اٹھنے والی خوشیوں کی لہر کو بھنور میں گم ہونے دوں؟ اس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں اتنی ذلت کیسے گوارا کروں گی۔ مجھے بھی تو فیصلے کا حق ہے۔ میں اپنی پوزیشن مضبوط کرسکتی ہوں۔ شادی کرکے ٹھکرائے جانے سے یہ بہتر ہے کہ میں۔"

کھانا کھانے کے بعد سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ فائزہ اسے بھی پکڑ کر محفل میں لے آئی تھی۔ ممانی پلیٹ میں مٹھائی لے کر اس کے پاس آئیں۔

"طلعت! ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ اگلے مہینے کی سات تاریخ کو رکھی ہے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

اس نے سر اٹھا کر اماں کو دیکھا وہ مسکرا رہی تھیں۔ ماموں کو دیکھا وہ بھی خوش نظر آئے۔

"مجھے اعتراض ہے۔" اس نے صاف آواز میں کہا۔ "مجھے اس شادی سے انکار ہے۔"

ممانی کے ہاتھ سے لڈو زمین پر گر گیا۔ وہ منہ کھولے اسے دیکھنے لگیں۔ مگر وہ کسی اور طرف دیکھے بغیر کمرے میں جا گھسی۔ باہر یک لخت سناٹا چھا گیا۔ پھر اس کے بعد سب کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اماں کے رونے کی آواز سب سے بلند تھی۔ پھر شاید ماموں نے اسے سمجھانے کا ارادہ کیا۔ ممانی کی آواز آئی۔

"کوئی ضرورت نہیں اسے سمجھانے کی۔ صاف انکار کرگئی ہے وہ۔ تو بس 'ہماری طرف سے بھی انکار ہے۔ ہمیں بے عزت کرنے کے لیے بلایا تھا زاہدہ بی تم نے۔ بیٹی سے تو پوچھ لیتیں کہ کس سے کرے گی۔"

وہ کان بند کرکے لیٹ گئی۔ مگر اس کا دل دھڑک رہا تھا زور زور سے۔ اماں کے رونے کی آوازیں "ہائے میں نے کیا کردیا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔" میرے دل پر صرف تمہارا نام لکھا ہے۔ میں تمہیں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

وہ آوازوں کے شور سے خود کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر آوازیں سیلاب کی طرح اس کے وجود پر چڑھی آرہی تھیں۔

رفعت بہت سنجیدگی اور خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ اسے شک تھا۔ اس دن پارک سے واپسی کے بعد اس پر جو خاموشی کا دورہ پڑا تھا۔ یقیناً" اس دن ہی کچھ ہوا تھا۔

رفعت نے ہی اماں کو سمجھا بجھا کر چپ کروایا۔ ورنہ اماں کا بس چلتا تو وہ طلعت کی گردن دبا دیتیں۔ ان کے بار بار پوچھنے پر بھی طلعت نے زبان نہ کھولی۔ بس اتنا ہوا کہ ماموں نے ان سے قطع تعلق کرلیا اور یہ غم ایسا تھا جو اماں کے لیے سوہانِ روح تھا۔ وہ اس غم کو بھلا نہیں سکتی تھیں۔

اسی دوران دہلی سے صغیرہ بیگم کے فون پر دیے گئے رفعت کے لیے رشتے کی انہوں نے عجلت میں ہامی بھرلی۔

طلعت کو اس پر اعتراض تھا مگر وہ منہ کھولنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اماں اس سے خفا تھیں۔ طلعت یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی تھی۔ اماں نے صاف

انکار کردیا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ بی بی ان خیالوں میں نہ رہنا کہ تم پڑھ لکھ کر نوکری کرکے مجھ پر احسان کروگی۔ میرے پاس اللہ کا شکر ہے پیٹ بھرنے بھر کا ہے۔ تمہاری محتاج نہیں ہوں میں۔ اور تم اگر اتنی منہ زور ہو ہی گئی ہو کہ اپنے فیصلے خود کرو تو پھر یونیورسٹی میں جاؤ۔ یا بھاڑ میں' اس گھر میں تمہاری جگہ نہیں ہے۔"

اماں سخت مشتعل تھیں۔ وہ سر جھکا کر چپ کی چپ رہ گئی۔ وہ تو اللہ بھلا کرے خالہ منور کا۔ انہوں نے بہت سختی سے اماں کو مجبور کیا۔ بلکہ اماں کی کم عقلی کا ماتم کرتی رہیں اور ان ہی کی وجہ سے وہ اس قابل ہوئی کہ یونیورسٹی کے لائق طلباء میں اس کا شمار تھا۔ خالہ منور نے اماں کو بہت شرمندہ کیا تھا۔

"اے بی بی! اگر تم پڑھی لکھی ہوتیں تو اسکول میں بچوں کو پڑھا کر اتنا کما لیتیں کہ اپنی بچیوں کو عزت کا نوالہ کھلاتیں۔ یہ جو مشین کے سامنے بیٹھ کر آنکھیں پھوڑتی ہو۔ ہڈیاں گھس رہی ہو۔ اس سے بہتر تھی وہ نوکری۔ ٹیچر کی عزت ہوتی ہے۔ اپنی صحت کو گھن لگا لیا۔ اور بھلا یہ کون سی ضد ہے کہ بچی تعلیم حاصل کرکے نوکری نہ کرے۔ لوگ تو ایسی خواتین کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اس میں ذلت نہیں عزت ہے۔ اور شادی کا کیا ہے۔ اللہ کا جب حکم ہوا۔ وہ بیاہی جائے گی۔ اللہ کے اشارے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا نصیب انشاءاللہ بہت بختاور ہوگا۔"

خالہ میں بات منوانے کی عجیب صلاحیت تھی۔

شہزاد کی شادی کی خبر نے اس کے دل پر عجیب سا وار کیا تھا۔ اسے شہزاد کے الفاظ بھولتے نہ تھے۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں تھی۔

"اب یہ سوگ کیوں منا رہی ہو۔ تم پر سکتہ کیوں طاری ہے۔ کیا وہ تمہارے عشق میں کبھی شادی نہ کرتے۔" رفعت کو بھی دکھ تھا مگر وہ اظہار نہیں کرتی تھی۔

"میں کیوں سوگ مناتی۔ میری بلا سے کچھ بھی ہوتا رہے۔" وہ چڑ گئی۔

"چلو پھر اٹھو میری کلمدانی کے دوپٹے پر فیتہ لگاؤ۔"

☼ ☼ ☼

تقریباً" دس دن بعد ممانی کا فون آیا۔ "رفعت! اپنی اماں سے بات کرادو۔"

"ممانی آپ کراچی سے بول رہی ہیں؟"

"نہیں بھئی میں آگئی ہوں۔" ان کا لہجہ کچھ روکھا سا ہوگیا۔ اماں نے ان سے بات کی پھر کچھ متفکر اور پریشان سی تخت پر آبیٹھیں۔

"کیا..... کوئی پریشانی والی بات ہے؟" رفعت ان سے لگ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں..... وہ کہہ رہی تھیں۔ بہو کو لے آئی ہیں اور جو لوگ شادی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ان کی دعوت کررہے ہیں۔ کہہ رہی تھیں۔ تم بہن ہو ریاض کی۔ دعوت میں ضرور آنا۔"

اماں تخت پر لیٹ گئیں۔ انہوں نے لڑکیوں کا نام نہیں لیا تھا اور انہیں یہ بات بہت بری لگی تھی۔ لیکن منہ سے کچھ کہا نہیں۔

"اماں! آپ ہرگز نہیں جائیں گی۔" رفعت نے چڑ کر کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ انہیں نہیں بلایا گیا ہے۔

"کیوں؟ اتنے اصرار سے بلایا ہے..... اور میرے کون سے درجن بھر بھتیجے ہیں جو۔"

"تو انہوں نے بھی اکلوتی پھپھو کو اکیلے بھتیجے کی شادی میں نہیں بلایا تھا۔ خبر تک نہیں ہونے دی۔ تو اب کیا فائدہ۔ آپ کہہ دیں ہم لڑکیوں کے بغیر نہیں آؤں گی۔"

مگر اماں نے تیاری شروع کردی تھی۔ بھائی بھاوج کے جوڑے۔ فائزہ کے لیے ساڑھی۔ دلہن کی منہ دکھائی۔ ان کی مجبوری تھی کہ ایک ہی بھائی۔ ایک بھتیجا۔ کسی کو ناراض کرنا ان کی سرشت میں نہ تھا۔ دعوت والے دن وہ نہا دھو کر تیار ہوئیں تو رفعت نے ان کو پکڑ لیا۔

"اماں! آپ کا دل بہت وسیع اور فراخ ہے۔ آپ کی نیت نیک ارادے پاکیزہ ہیں۔ آپ کو معاف کرنے

والی فطرت ملی ہے۔ آپ کسی سے کوئی گلہ نہیں کرتیں۔ ان خوبیوں میں سے کوئی ایک خوبی آپ کے بھائی کو کیوں نہیں ملی۔ ایک ماں باپ کی اولاد۔ ایک ماں کی آغوش میں پلنے والے بچوں میں اتنا فرق کیوں ہے۔ آپ کو اپنے بھائی سے بہت محبت ہے۔ مگر اپنی اولاد سے بھی تو پیار ہے۔" رفعت آج کھل کر بول رہی تھی۔

"چلیں کراچی جاکر شادی کرنا ان کی مجبوری ہوگی۔ مگر آپ کو نہ بلانا ان کی نیک نیتی نہیں اور آپ کو شادی کی خبر نہ دینا بھی۔ معاف کیجیے۔ بددیانتی میں شمار ہوگا۔ چلیں آپ نے سب کچھ معاف کردیا۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے۔ کیا وہ آپ کو بلانے یہاں نہیں آ سکتے تھے معذرت کرسکتے تھے۔ جس کی انہوں نے ضرورت نہ سمجھی۔ ہم کیا اتنے حقیر ہیں کہ ان کے ایک فون پر ہشاش بشاش دوڑ پڑیں گی آپ؟ ہم ان کے غلام کی کمین ہیں کہ اس فون پر ہی فخر کریں گے؟ ان کی نظر میں آپ کی بس اتنی ہی عزت ہے؟ آپ احتجاج نہیں کرسکتیں۔ شکوہ تو کریں۔ فون پر ہی سہی۔ انہوں نے غیروں کی طرح آپ کو بلایا۔ کیوں؟ آپ خدانخواستہ اکیلی ہیں اور طلعت کیا جن بھوت ہے جس سے وہ ڈرتے ہیں اور جب انہیں ضرورت تھی۔ طلعت کو انہوں نے بلایا تھا کہ نہیں، پھر اب کیوں نہیں۔ جی نہیں اماں! وہ جتانا چاہتے ہیں کہ ہم ان سے کم ہیں ان کی نظر میں ہماری عزت ہے نہ اہمیت نہ ہی محبت۔"

رفعت کی آواز اس کے گلے میں پھنس گئی۔ وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر کمرے میں گھس گئی اور زور زور سے رونے لگی۔ طلعت نے اسے لپٹا لیا۔ مگر پھکی اسے رفعت کے احتجاجی لیکچر سے بہت خوشی ہوئی۔ وہ بھی یہی کچھ کہنا چاہتی تھی۔ شاید طلعت کے اعتراض کی انہیں پروا نہ ہوتی مگر رفعت کی وہ بہت معترف تھیں اور انہیں اندازہ ہو ہی گیا کہ لڑکیوں کو ان کا دعوت میں جانا پسند نہیں۔

"طلعت! کیا تمہاری وہاں شادی نہ ہونے سے ہمارا رشتہ ختم ہوگیا۔ کیا شہزاد بھائی اب ہمارے بھائی نہیں رہے۔" رفعت روئے جارہی تھی۔

اماں دعوت میں نہیں گئیں۔ وہ زبان سے تو کچھ نہیں کہتی تھیں۔ مگر احساس تو تھا۔ لیکن بھائی کی محبت۔ طلعت کی وجہ سے شرمندہ بھی تھیں۔ انہیں دکھ تھا کہ..... شہزاد خود بھی نہ آیا اور دلہن کو بھی ملانے نہ لایا۔ یہ کام تو شہزاد کی امی کرسکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اماں گم صم ہوگئیں۔ گھر پر اداسی کا راج تھا۔

اس فون کے بعد پھر کسی نے ان سے رابطہ نہ کیا۔

☼ ☼ ☼

رفعت کے سسرال سے شادی کا تقاضا ہو رہا تھا۔ خالہ منور کا فون بھی آیا۔

"ان لوگوں کو جہیز کی طلب نہیں ہے۔ سادگی سے رخصتی چاہتے ہیں۔ ان کے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ اس لیے صرف لڑکی اپنی پسند کے کچھ جوڑے بنوالے۔"

اماں نے ان سے کہا کہ وہ خود آکر ان کی مدد کریں۔ کیونکہ وہ کس طرح سب کچھ کریں گی۔ کوئی مرد ہے نہیں۔

خالہ فوراً آگئیں اور دونوں طرف کے معاملات طے کردیے۔

اس دن طلعت مارکیٹ میں سوٹ کے ساتھ کی میچنگ چپل تلاش کررہی تھی کہ اسے عامر نظر آگیا۔ وہ تو شاید نظر انداز کردیتی۔ مگر وہ خود ہی آکر مخاطب ہوا۔ طلعت نے سلام کرلیا۔ کچھ کمزور لگ رہا تھا۔ پوچھنے پر کہنے لگا۔

"بیمار نہیں ہوں۔ سوچتا رہتا ہوں کہ جو غلطی کر بیٹھا ہوں۔ اس کی تلافی کیسے کروں۔"

"غلطی پر غلطی کرنے والے کو کون سمجھائے۔ جب آپ سمجھ رہے ہیں۔ تو ایک غلطی کو ہی درست کرلیں۔ آپ نے فائزہ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" اس نے دردمندی سے کہا۔

"آپ کی کزن نے بھی میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ وہ بھی غلطی درست کرلیتی تو۔ آپ نے اسے مشورہ نہیں دیا؟"

"عورت کمزور ہستی ہے عامر بھائی! آپ مرد ہو کر کسی ایک فیصلے پر نہیں پہنچے۔ تو وہ تو ضدی بھی ہے' انا پرست بھی۔ پھر آپ نے خود بھی رابطہ نہیں رکھا۔"

"وہی کبھی رابطہ کرلیتی۔" عامر کا لہجہ نرم آواز کمزور تھی۔

"آپ دونوں اپنی ضد اور انا کو لے کر بیٹھے ہیں اور نقصان بھی اپنا کررہے ہیں۔ یہ کیسی محبت ہے کہ شادی کے وقت تو بڑے دعوے کیے تھے آپ نے..... لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ ماموں نے آپ کو بلایا۔ آپ نہیں گئے ان کے پاس کیونکہ آپ کے گھر والوں نے آپ کو ڈرادیا کہ وہ طلاق کے لیے زور دیں گے۔ تو کیا تھا۔ جب آپ اسے اپنے پاس نہیں لے جائیں گے۔ تو ایسی شادی کا فائدہ ہی کیا ہے۔"

"میں نے انکار نہیں کیا۔ وہ تو میں بیمار ہوگیا تھا۔"

"عامر بھائی! اب تو آپ کو ایک فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔ آپ کی بچی بھی اب تو کئی مہینے کی ہوگئی۔ اسے دیکھنے بھی آپ سمیت کوئی نہ آیا۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ وہ کچھ بڑی ہوگی تو کس کو ابا کہے گی۔ کبھی سوچا ہے آپ نے؟ آپ اپنے گھر والوں کی خاطر اپنے جائز رشتے سے انحراف کررہے ہیں۔ اپنے خون سے بے رخی کرکے کون سی مثال قائم کریں گے آخر۔ وہ ننھا فرشتہ اپنے باپ کے لیے ترستی رہے گی۔ آپ تو بہت ہی بے وفا نکلے۔ آپ کو اندازہ نہیں فائزہ کتنی دکھی ہے۔"

"جی نہیں۔" عمار کچھ تیز آواز میں بولا۔ "آپ کا خیال غلط ہے۔ مجھے فائزہ سے محبت تھی ہے مگر اسے بھی میرے مسائل سمجھنے چاہئیں۔ وہ اگر تکلیف میں ہے تو میں بھی عیش نہیں کررہا۔"

"آپ نے تصفیے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ آپ کی والدہ آپ کی دوسری شادی کرنا چاہیں گی تو آپ کرلیں گے۔ فرماں بردار اولاد ہیں۔ لیکن کل کو آپ کی بچی کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا۔ جیسا آپ فائزہ کے ساتھ کررہے ہیں۔ تب....."

طلعت کی بات پوری ہونے سے پہلے عامر وہاں سے پلٹ گیا۔ طلعت نے گھر آکر بتایا۔ خالہ منور بہت خوش ہوئیں۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔ احساس دلانے کی ضرورت تھی۔ اب وہ کچھ نہ کچھ کرے گا۔ بیٹی! یہ تو بڑا ثواب کمایا تم نے۔ میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کا بڑا اجر ہے۔ اللہ تمہیں بہت نوازے گا۔ اللہ عامر کو عقل دے۔"

"مردوں کی عقل گھٹنے میں ہوتی ہے' سنا ہے۔" رفعت نے نیا نکتہ نکالا۔

"اگر عقل مند ہے تو گھٹنوں کے بل جاکر ہی بیوی بچی کو لائے گا۔ دیکھنا تم۔" خالہ نے کہا۔

☼ ☼ ☼

خالہ منور کے ہمت دلانے پر اماں رفعت کی شادی کا بلاوا دینے ماموں کے گھر چلی گئیں۔ ممانی کی تیوری چڑھ گئی۔ بگڑ گئیں۔

"ہمارے بیٹے کی شادی ہوئی تو یہ کب شریک ہوگئیں۔ اب یہ کیسا بلاوا ہے۔"

"ریاض میاں!" خالہ نے ممانی کو نظر انداز کرکے ماموں سے کہا۔ "خدا کے انصاف سے ڈرو' بیوہ بہن' یتیم بھانجی' چاہیے تو تھا کہ تم ذمہ دار بنتے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے۔ مگر خون سفید ہوگیا ہے تمہارا۔ بیٹے کی شادی کراچی جاکر کی۔ ایک بہن تھی۔ اسے پوچھا تک نہیں۔ کیا تم نے رشتہ ختم کردیا ہے۔"

"کراچی تو زاہدہ جا نہیں سکتی تھیں۔" ممانی نے ہی جواب دیا۔ "اس لیے یہاں کے فنکشن میں بلایا تھا۔ یہ نہیں آئیں۔"

"کیوں۔ اتنے کنگلے ہوگئے ہو تم لوگ۔ ایک بہن کے ریل کے کرائے سے بھی گئے۔ اور ویسے یہ اتنی بھی گئی گزری نہیں کہ کراچی نہ جاسکتی۔ اپنا کرایہ خود دے دیتی تم نے بلایا نہ خبر کی۔ اسے تو بعد میں خبر

ملی۔" خالہ بھی ان سے کم نہ تھیں۔

"ہم نے تو بس اس لیے کہ لڑکیوں کو کہاں چھوڑ کر جائیں گی۔" ممانی ہکلا گئیں۔

"کیوں بھئی لڑکیوں سے کوئی رشتہ نہیں تم لوگوں کا؟ ان تینوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکنے کا کوئی معقول جواز تو ہو گا تمہارے پاس۔"

ممانی ادھر ادھر دیکھ کر رہ گئیں۔ خالہ مزید تیز ہو گئیں "اور یہاں کے فنکشن میں تم نے اکیلی زاہدہ کو بلایا۔ غیروں کی طرح۔ خدا نا خواستہ وہ بے اولاد تو نہیں ہے۔ اپنے میکے والوں کو تو تم لے گئی تھیں پورا خاندان۔ چچازاد خالہ زاد اور جن سسرال والوں کو تم نے بلایا' وہ بھی گئے ہی تھے۔ خاندان کی شادیوں میں سب شریک ہوتے ہی ہیں۔ کوئی اس طرح نہیں سوچتا کہ یہ لڑکیاں کہاں چھوڑے گا۔ بھئی بچوں سمیت آتے ہی ہیں لوگ۔ تم سے تو اتنا نہ ہوا کہ بہو کو لے جا کر ملوا لاتیں۔ اتنا خون سفید ہو گیا۔ یہ غرور جو ہے بہت ہی خراب چیز ہے۔ اپنے خون کے رشتے کو پہچانو۔ میاں ریاض دکھیا بہن کا دل دکھایا ہے تم نے۔ گناہ ہے یہ۔"

"میرا بھی دل دکھا تھا جب ان کی بیٹی نے انکار کیا تھا۔" آخر کار ماموں بولے۔

"بیٹی کی سزا ماں کو دے دی۔ واہ میاں اچھا انصاف ہے اور بھئی جو تمہارے گھر کے لیے اللہ نے تجویز کی وہ آ گئی۔ اب کاہے کا شکوہ۔ تمہارے بیٹے کا نصیب اس بہو کے ساتھ تھا۔ خاندان میں امیر غریب سب طرح کے ہوتے ہیں تو کیا امیر لوگ غریب بہنوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں؟ کبھی ایسا ہوا تو نہیں مگر تم نے نئی روایت قائم کی ہے۔"

"آپ تو لگتا ہے' شادی کا بلاوا دینے کے بہانے ہماری کھنچائی کرنے' ہمیں ذلیل کرنے آئی ہیں۔" ممانی تلملا گئیں۔ سچ کی چوٹ ذرا زور سے لگتی ہے۔

"میں دھنائی بھی کر سکتی ہوں۔ بہت بڑی ہوں۔ اور زاہدہ کی طرح غریب بھی نہیں کہ تم سے دبوں۔ سچ بات ڈنکے کی چوٹ کرتی ہوں۔ میں تو تمہارے بلاوے پر کراچی گئی تھی۔ وہاں زاہدہ نہ ملی۔ ارے غیرے نتھو خیرے تو تمہارے خرچ پر وہاں پہنچے۔ نہ گئی تو ایک بہن اور بھانجیاں۔"

"یہ ۔۔۔ نتھو خیرے کس کو کہا آپ نے؟" ممانی بھتّے سے اکھڑ گئیں۔

"تمہارے چچازاد بھائی کے سالوں' ان کی بیویوں کو۔ تمہاری بھابھی کے بھتیجوں کو۔ جو ریاض کے تو رشتے دار نہیں تھے۔" ماموں نے بیگم کو گھورا۔

"اور یہاں کے فنکشن میں بھی دور دراز کے رشتے داروں کے علاوہ تمہارے ملازمین کے پورے پورے خاندان جمع تھے۔ شہزاد میاں کی آپا کو بھی سکھر سے کرایہ دے کر بلایا گیا۔ اگر زاہدہ کو جا کر بلاوا دیا جاتا تو کیا عزت گھٹ جاتی؟"

خالہ منور کے گرجنے برسنے کا سلسلہ شاید اور دراز ہوتا۔ مگر ماموں اپنی بہن کے آنسو دیکھ کر تڑپ گئے۔ ہاتھ جوڑے' گلے لگایا۔ زاہدہ کے کندھے پر سر رکھ کر گڑگڑائے۔ معافی تلافی کا سلسلہ ختم ہوا تو خالہ نے انگلی سے ماموں کو ٹھوکا دیا۔

"اے سنو تم لوگوں کی عزت کرو گے تو لوگ تمہاری عزت کریں گے۔ ورنہ دنیا میں لاکھوں امیر لوگ ہیں۔ ہم کسی کو جانتے پہچانتے نہیں۔"

اس شام ماموں خود ان کے گھر آئے۔ بہنوں کو لے کر۔ طلعت' رفعت کے سر پر ہاتھ رکھا۔ خود بھی روئے۔ لڑکیوں کو بھی رلایا۔ مطلع صاف ہو گیا تو انہوں نے رفعت کو لفافہ دیا۔ رفعت کا منہ کھل گیا۔ نوٹ بہت تھے۔

"ماموں یہ کیا۔ یہ تو بہت ہیں۔"

"یہ ۔۔۔ تمہارا حق ہے۔ اپنی مرضی سے کچھ لے لینا اور زاہدہ! کھانا میری طرف سے ہو گا۔"

ماموں کو آج اپنے فرائض یاد آئے۔ خالہ منور راستے بھر ان کو صلہ رحمی اور اقربا کے حقوق پر مبنی حدیثیں سناتی آئی تھیں۔

"دیکھے میاں ریاض! جو حق تلفی اور زیادتی تم کر چکے ہو زاہدہ کے ساتھ دس لاکھ کی رقم دے کر بھی اس

کی تلافی نہیں کر سکتے۔ میرا تو کراچی میں خون کھولتا رہا۔ تمہاری بیوی کے دور و نزدیک کے سارے رشتے دار' پنڈی' کراچی' لاہور والے موجود تھے۔ نہیں تھی تو ایک تمہاری بہن۔ ویسے تمہاری بہو ہے تو بہت پیاری جہیز بھی خوب لائی ہے۔"

خالہ منور کی زبان کو کون روک سکتا تھا۔ اماں آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ کرتی رہیں۔ مگر ان کی تقریر جاری رہی۔

"تمہارا بیٹا بھی اب تو کراچی میں رہتا ہے۔ وہیں جہیز جائے گا اس کے گھر۔ شاید اسی لیے تمہاری بیوی نے شادی کراچی میں کر دی۔ سب لوگ سسرال کی شان و شوکت تو دیکھیں۔ کیا مہندی' کیا شادی دولت کی خوب نمائش ہوئی سمدھیانے میں۔ یہاں بھلا تمہیں کیا ملتا۔ غریب بیوہ بہن کے گھر سے۔ کتنی خوش تھیں تمہاری بیوی۔ دولت مند سمدھیانہ پا کر۔"

ماموں بے چارے شرمندہ ہوتے رہے۔ جواب بھی نہ دے سکے۔

☼ ☼ ☼

رفعت کی شادی تھی۔ وہ تو آرام سے کمرے میں آرام کرتی۔ طلعت پر ذمے داری کا پہاڑ کھڑا تھا۔ وہ کوشش تو کرتی تھی کہ ہر کام درست ہو جائے۔ اب تو خالہ منور بھی اس کے کام کو' ذمے داری کو سراہ رہی تھیں۔ بارات تو ہوٹل میں آئی تھی وہاں بھی طلعت خالہ کو ساتھ لے جاتی۔ انتظامیہ سے مشورے بھی خالہ کی مرضی سے کرتی۔

آخر شادی کا دن آ گیا۔ مہندی کے فنکشن کے سب خلاف تھے۔ کیونکہ یہ ہندوانہ رسم ہوتی ہے اور سوائے گانے بجانے فضول ہنگامہ لڑکیوں کے ڈانس جیسی خرافات کے اور ہوتا ہی کیا ہے۔

رفعت کا میک اپ طلعت کی ایک دوست نے کر دیا۔ یاسر کے ہاں سے شادی کا جوڑا بہت خوب صورت آیا تھا۔ نکاح کے وقت تک اماں اور طلعت' رفعت کے پاس رہیں۔ پھر فائزہ بھی آ گئی۔ فائزہ' طلعت کا شکریہ ادا کرنے لگی۔

"تمہاری نصیحت نے عامر کو میری مشکلات کا احساس دلایا اور ماما کے نام پر تو وہ بالکل موم ہو گئے۔ حالانکہ تم نے مجھے بھی تو سمجھایا تھا۔ اب مجھے احساس ہوا کہ عامر واقعی مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے اثر لے لیا۔ میں ضد میں اکڑی رہی۔"

"اور اب' اب کیا صورت حال ہے؟" طلعت مسکرانے لگی۔ فائزہ خوش تھی۔

"اب سچ کہوں اپنی اس اکڑ اور ضد پر شرمندہ ہوں۔ وہ میری بیٹی کو سنبھالتی ہیں۔ میں گھر کے کام کرتی ہوں۔ وہ بھی مجھ سے خوش ہیں۔ انہوں نے تو کہہ دیا کہ تم چاہو تو اوپر کے کمرے میں رہو۔ میں نے کہا۔ نہیں نیچے رہوں گی تاکہ آپ کے سامنے آپ کی پوتی رہے۔ آپ کو خوش کرے۔ بس' رنجش ختم۔ وہ بھی موم ہو گئیں۔"

"شکر ہے۔ تم کو عقل تو آئی۔ اگر پہلے ہی تھوڑا صبر کر لیتیں۔ برداشت ہوتی تو ۔۔۔ اتنا عرصہ جو تم نے ضائع کر دیا۔ نتیجہ شاید بہتر ہوتا۔"

"طلعت! عقل بھی آ گئی اور ضبط اور برداشت کی عادت بھی ہو گئی۔ میکے کا قیام آرام وہ سہی۔ مگر اپنے گھر کی کمی کا احساس تو رہتا ہے۔ میری بیٹی نانا' نانی سے کتنی بھی محبت وصول کر لے۔ اسے باپ اور دادا دادی کی محبت کی بھی ضرورت ہوتی۔ ماما کی وجہ سے میں نے اپنا دل وسیع کر لیا۔ رویہ بدل لیا اور محبت کی تقسیم کا فلسفہ بھی جان لیا۔ ای پاپا کچھ بھی کر لیں۔ ماما کو باپ اور دادا' دادی کی محبت سے محروم کرنا ۔۔۔ میری زیادتی تھی۔"

طلعت کو فائزہ کے خیالات جان کر خوشی ہوئی۔

نکاح کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی اور کھانے کا سلسلہ شروع ہوا تو سب مہمانوں سے مل کر اچھی طرح کھانے پر اصرار کرتی رہی۔ خصوصاً" یاسر اور اس کے گھر والوں کا اسے زیادہ خیال تھا۔ گو کہ وہاں خالہ منور موجود تھیں۔ ایک شوخ سی خوب صورت لڑکی پلیٹ اٹھائے اس کے سامنے آئی اور طلعت سے بولی

"آپ رفعت کی بڑی بہن طلعت ہیں ناں؟"

طلعت اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ سرخ بنارسی ساڑھی۔ ماتھے پر جھومر۔ گلوبند سے آراستہ اس کی لمبی گردن۔ بڑے بڑے جھمکے پہنے یہ لڑکی شادی شدہ تو لگتی تھی۔ مگر کون؟

"جی اور آپ؟" طلعت نے پوچھ لیا۔

"آپ... واقعی بہت عقل مند ہیں۔" اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ "شہزاد سے شادی نہ کر کے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے اور مجھے اس برف کے آدمی کے ساتھ پھنسا دیا۔ ہیں ناں آپ سمجھ دار۔"

کہہ کر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ طلعت حیرت میں گم اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے رکا ہوا سانس بحال کیا۔

"اچھا... تو یہ ہیں مہ جبیں شہزاد۔ حسین اور دلکش۔"

وہ اب ممانی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ممانی، اماں اور خالہ منور سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ خالہ تو آج اصلی دولہا والی بنی ہوئی تھیں۔ مگر وہ اپنے مشن سے خوب آگاہ تھیں۔ مہمان خواتین کو بلا تفریق نصیحتوں مشوروں سے نواز رہی تھیں۔ رفعت کی رخصتی کے بعد وہ طلعت کے ساتھ گھر آ گئیں۔

"تم لوگ اکیلی رہ گئی ہو۔ اس لیے آ گئی۔ بس آج سے میں لڑکی والی ہوں۔"

ولیمہ کے بعد وہ واپس ملتان چلی گئیں۔ گھر میں بالکل سناٹا ہو گیا۔ طلعت یونیورسٹی سے آ کر اماں کا ہاتھ بٹاتی۔ بلکہ کچن کا تو سارا کام خود کر ہی لیتی تھی۔ سلائی میں مدد کر دیتی۔ اماں اس سے خوش تھیں۔ طلعت بھی خالہ منور کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے ہر کام سلیقے اور صفائی سے کرنے لگی تھی۔

رفعت اور یاسر اکثر شام کو آ جاتے۔ طلعت ان لوگوں کے لیے پہلے سے کچھ نہ کچھ بنا کر رکھ لیتی تھی۔ رفعت کئی بار رات کو بھی رہنے آئی اور تعجب سے کہتی

"طلعت! تم تو اب بڑی سلیقہ شعار ہو گئی ہو۔ برتن بھی ساتھ کے ساتھ دھو لیتی ہو۔ اتنی فرصت مل جاتی ہے تمہیں؟"

"ہاں بھئی تم کو تو پتہ ہے۔ برتن دھونے والی کی بھی میں نے چھٹی کر دی ہے۔ صرف جھاڑو والی آتی ہے۔ خاصی کفایت ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر تمہارے جانے سے۔"

رفعت برا مان گئی۔ "اچھا اتنا زیادہ خرچ تھا میرا؟"

طلعت نے اسے گلے لگایا، پیار کیا۔ تب اس کا موڈ درست ہوا۔

"سنو تمہارے سلیقے کے اعتراف میں خالہ منور نے تمہارا رشتہ مانگا ہے اپنے بیٹے کے لیے تمہاری طرف سے کچھ تسلی ہو تو وہ رشتہ لے کر خود آئیں گی۔ پہلے بھی کہہ چکی تھیں۔ مگر اب خاص طور پر۔"

"ہیں؟ ارے بابا نہیں۔ اماں سے کہہ دو ابھی میرا ذوق اتنا بھی نہیں خراب ہوا کہ میں اس پھیکے مجاہد سے رشتہ جوڑوں۔ ویسے بھی میری تعلیم مکمل ہو ہی گئی ہے۔ اب مجھے لائبریری کی جاب مل جائے گی۔"

"جاب کرو گی؟ اماں تمہیں مانیں گی۔" رفعت فکر مند ہو گئی۔

طلعت نے سر ہلایا۔ "ہاں حسب عادت چیخیں گی۔ مگر رفعت! میں اب خاصی حریص ہو گئی ہوں۔ خوب سا پیسہ کما کر امیروں کا مقابلہ کرنا چاہتی ہوں۔ یہ دنیا پیسے والوں کی عزت کرتی ہے بس۔"

"تو شادی کر کے بھی امیر بنا سکتا ہے۔ میری طرح۔" رفعت نے اسے اشارہ کر کے جتایا۔ "یہ سوٹ دیکھ رہی ہو۔ چار ہزار کا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عادتاً "اور کفایتاً" میں اسے دس جگہ پہن کر جا چکی ہوں اور اس کی میچنگ سینڈل، پندرہ سو کی ہے۔ یہ موتیوں کے بالے اور ہار میں نے پچھلے ہفتے ہی خریدے ہیں۔ میں ہو گئی ہوں ناں امیر؟"

"ارے بھئی۔ ایسی امیر نہیں۔ ذاتی کمائی کی دولت۔" طلعت اسے سمجھانے لگی۔ بڑا سا بنگلہ، بڑی سی

گاڑی۔ نوکر چاکر... اپنی کمائی کی بات ہی کچھ اور ہی ہوتی ہے۔"

"گھوڑا گاڑی؟" رفعت آنکھیں پھیلا کر بولی تھی۔

"جی نہیں... اصلی گاڑی پجیرو یا لینڈ کروزر یا مرسڈیز۔"

"شیخ چلی نہ بنو۔ اپنے لیے کچھ سوچو۔"

"دولت مند بننے کے بارے میں سوچنا کچھ برا بھی نہیں۔ نیک نیتی سے کی ہوئی خواہش پوری بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ ہے ناں مدد کے لیے۔"

"ہاں ہے۔ مگر لائبریرین بن کر دولت کمانے کے چانس بہت کم ہوتے ہیں۔ بہ نسبت شادی کر کے پجیرو یا لینڈ کروزر حاصل ہونے کے۔"

"تو... پھر ہے تمہاری نظر میں کوئی دولت مند بکرا۔ میرا مطلب ہے۔ پجیرو کا مالک۔"

"ایک تو شہزاد بھائی ہی ہیں۔" رفعت نے یک لخت جیسے بم دے مارا۔ "ان کی بیگم نے خلع کی درخواست دائر کی ہوئی ہے۔ عنقریب یہ قصہ ختم ہونے والا ہے اور ممانی نے پیشگی ہی اماں سے کہہ دیا ہے۔ طلعت میری ہے۔" رفعت کو نہ جانے کتنی معلومات حاصل تھیں۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" وہ بلبلا گئی۔ ایک آگ تھی جس نے اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ "ایسا نہیں ہو گا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں... میں ایک بار ٹھکرائے جانے کے بعد ایک بار پھر قربانی کا بکرا نہیں بنوں گی۔ ہرگز نہیں۔ اماں سے کہہ دو۔ ایسا سوچیں بھی نہیں۔"

"ٹھکرائے جانے کے بعد۔" رفعت کی سوئی وہیں اٹک گئی۔ اس نے طلعت کو جھنجھوڑ دیا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ تم ٹھکرائی گئی تھیں؟ یا تم نے انہیں ٹھکرا دیا تھا۔"

طلعت نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ رفعت سر تھام کر رہ گئی۔ "خود ہی بری بنیں۔ اپنا نقصان، خلق کی ملامت۔ احمق ہو تم۔ کرنے دیتیں انہیں انکار۔"

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ پتہ چلا۔ شہزاد نے خود ہی طلاق دے دی ہے۔ طلعت پریشان ہو گئی۔ اب ماموں ممانی یقیناً پھر چکر لگائیں گے۔ اس نے رفعت کو بلایا اور کہا۔

"تم اماں سے کہو۔ وہ خالہ منور کے بیٹے کا رشتہ قبول کر لیں۔"

"پاگل ہو گئی ہو۔ اب تمہارا ذوق نظر گھٹ گیا ہے کیا؟"

"تو کیا ہوا۔ ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کبھی کبھی منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ لیکن جس کی وجہ سے میں سارے خاندان میں بدنام ہو گئی۔ اس کے ساتھ... نہیں کبھی نہیں۔ میں تھوک کر چاٹنے کی قائل نہیں۔"

"بدنام تم خود اپنی حماقت سے ہوئیں۔ نہ کرتیں انکار۔ مگر صاحب ہماری بہن کی ناک پر مکھی بیٹھے اور وہ اسے تلوار سے ہلاک کرنے کے زعم میں ناک نہ کٹوائیں۔ ایسا کب ممکن ہے۔"

رفعت تو چڑ گئی تھی۔ "ویسے میں سوچ رہی ہوں۔ اس لم ڈھینگ کی پینٹ تم کتنے دن میں سی لو گی۔ بلکہ سی کر فارغ ہو گی۔"

"پاگل ہو میں کیوں سیوں گی، بازار میں پینٹ ملنا بند ہو گئی ہیں کیا؟"

"تم نے دیکھا نہیں تھا۔ وہ جب آیا تھا۔ شرعی پینٹ، ٹخنوں سے اونچی پہنے رہا۔ اس کے ناپ کی ملتی ہوتی۔ تو وہ کم از کم یہاں اٹنگی پینٹ پہن کر نہ آتا بر دکھوے کے لیے۔"

☼ ☼ ☼

دنیا میں تو ہر روز کچھ نہ کچھ حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ انقلاب آ جاتے ہیں طلعت کی زندگی بھی ایسے ہی انقلاب کی زد میں تھی۔ خالہ منور اچانک فوت ہو گئیں۔ ان کے ساتھ وہ بات بھی گئی۔ اماں ملتان جا کر پرسہ دے آئیں۔ اور بس ان کا ذکر ہی رہ گیا۔

بوا کئی کچھ عرصہ پہلے ایک رشتہ لائی تھیں۔ جسے اس نے وحشی جٹ عرف بھینسوں کا رکھوالا کہہ کر رد کر

دیا تھا۔ اب اس نے رفعت سے کہا۔

"چلو اسی وحشی جٹ کو بلالو۔ مجبوری ہے۔"

رفعت نے تاسف سے کہا۔ "تمہیں اچھے برے کی پہچان نہیں ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی کی شکل صورت پر نام نہیں رکھنا چاہیے۔ اللہ کی بنائی صورتوں میں ہم تم کیوں عیب نکالیں۔ بھی وہی رو کیے ہوئے بری شکلوں والے اپنے نصیب میں ہوتے ہیں۔ توبہ کرو اور اللہ سے بہتری کی دعا کرو۔ دیکھا تم نے اب کیسے اسی بھینسوں کے رکھوالے کو یاد کر رہی ہو۔ وحشی جٹ سے رشتہ جوڑوگی؟"

اور پھر وہی ہوا۔ جس کا خطرہ تھا۔ ماموں ممانی کے چکر لگنے لگے۔ ممانی اس پر صدقے واری ہونے کو تیار۔ طلعت کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔ بدمزاجی عروج پر۔ جونہی اماں نے ماموں کا نام لیا۔ وہ اماں پر چڑھ دوڑی۔ پھر تھک کر گڑگڑانے لگی۔

"کہیں بھی جھونک دیں مجھے۔ اب انکار نہیں کروں گی۔ مگر شہزاد سے نہیں۔"

اماں کو اپنے انکار کی وجوہ سے آگاہ کیا۔ جس پر اور بھی ڈانٹ پڑی۔ اماں نے اسے کمبخت' پاگل' دیوانی کا خطاب بھی دے ڈالا۔ طلعت کے انکار پر صاف کہہ دیا۔

"اب تیری ایک نہیں سنوں گی۔ اگر میری زندگی چاہتی ہے تو چپ چاپ بھائی کی خواہش پر سر جھکا دے ورنہ میں بھی تیری ماں ہوں زہر کھالوں گی۔"

"ماں کا حکم تھا اس نے سر جھکا دیا۔ مگر یہ کہے بغیر نہ رہی۔" کہ سب مذاق اڑائیں گے کہ خود ہی تھوک کر چاٹ رہی ہے۔"

رفعت نے تسلی دی۔ "کوئی نہیں کہتا۔ یہ سب خرافات خود تمہارے ذہن کی پیداوار ہیں۔ سب کہہ رہے ہیں۔ دیر آید درست آید۔ خالہ منور اللہ بخشے کہتی تھیں۔ طلعت نصیبوں والی ہے۔ جب اللہ کا حکم ہوگا۔ جہاں کے لیے ارشاد ہوگا۔ یہ وہیں جائے گی۔ خالہ ہوتیں تو خوش ہوتیں لگتا ہے جس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجی گئی تھیں۔ ان کا مشن مکمل ہو گیا تو چلی گئیں۔" خالہ کا ذکر پھر سے تازہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

ماموں کے گھر میں ہنگامہ برپا تھا۔ طلعت نے رخصتی کے وقت ایسا اودھم مچایا کہ رفعت شرمندہ ہو گئی۔ اماں کا ہاتھ اس قدر قوت سے پکڑا کہ چھڑا نہ سکیں تو شہزاد نے کہا۔

"پھپھو! آپ بھی چلیں۔ اکیلی یہاں کہاں رہیں گی ہمارے ساتھ ہی رہیں۔" ماموں نے بھی بہت اصرار کیا اور طلعت کے ساتھ اماں بھی آگئیں۔ رفعت اور یاسر جو گھر پر رکنے والے تھے۔ فائزہ اور عامر انہیں بھی لے آئے۔ ماموں کے سرسبز لان میں روشنیوں کا سیلاب تھا اور وہیں مہمانوں کی نشست کا انتظام تھا۔

ڈھول کی ڈھم ڈھم سر پھاڑے ڈال رہی تھی اور فائزہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ڈانس کر رہی تھی۔ جب عامر نے بھی ساتھ دیا تو ان کی بیٹی تالیاں بجانے لگی۔ ممانی ان پر نوٹ وار رہی تھیں۔ رات خاصی ہو گئی تھی۔ طلعت کو کمرے میں پہنچا کر رفعت بھی لان کے ہنگامے میں شریک ہونے بھاگ گئی۔ اماں کو اوپر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

طلعت نے غصے میں پھولوں کا ہار نوچ کر اتارا۔ پھر زیوروں سے آزادی حاصل کی۔ ہاتھ منہ دھو کر کاٹن کا پیلا جوڑا نکال کر پہنا۔ پیلا رنگ اسے سخت ناپسند تھا۔ باتھ روم سے آکر دیکھا۔ موصوف ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئی۔ باہر لان کا پورا منظر سامنے تھا۔ فائزہ اور عامر کے ساتھ اب رفعت اور یاسر بھی رقص کر رہے تھے۔ وہاں قہقہے تھے تالیاں۔ داد دیتی ہوئی چیخیں اور سیٹیاں۔

فائزہ اپنی خانہ آبادی کا جشن بھی آج ہی منا رہی تھی۔ ایک پنتھ دو کاج کے حساب میں۔ ماموں بھی قہقہے لگا رہے تھے اور نواسی پھدک رہی تھی آخر وہ کیوں پیچھے رہتی۔ خوشیوں کا اظہار اس قدر پرشور۔ شہزاد نے اندر آکر جب ہیلو کہا تو وہ چونک گئی۔

"یہ کیا؟ ہم تو ایک سجی بنی زیورات سے لدی حسینہ کی توقع کر رہے تھے۔ اتنی سادگی؟ کیا مایوس ہو گئی تھیں؟" وہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"اچھا۔۔۔ باہر کا نظارہ ہو رہا تھا۔ سب بہت خوش ہیں۔ اب تو میں پچھتا رہا ہوں کہ کیوں نہ یہ خوشی پہلے ہی سب کو دے دی۔" جونہی اس نے طلعت کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"ہٹو یہاں سے۔" وہ غرائی۔

"خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔" وہ کھڑکی سے پرے ہو گئی۔

شہزاد دم بخود یہ رویہ توقع کے خلاف اور حیرت انگیز ہی نہیں۔ ذلت آمیز بھی تھا۔ مگر وہ سبب جانتا تھا۔ اس لیے کچھ رک کر اس نے کہا۔

"طلعت میں تمہارے غصے کی وجہ جانتا ہوں۔ میں اپنی غلطی مانتا ہوں۔ تم بہت اچھی ہوئی ہو اور اس کا سبب بھی میں ہوں۔ تم ادھر آکر بیٹھو۔ میں تفصیل سے تمہیں ہر بات بتاؤں۔"

"مجھے نہیں سننا۔ میں جانتی ہوں تم جھوٹے' دغاباز بے وفا ہو۔ مجھ سے چھٹکارا حاصل کر کے اس مہ جبیں سے شادی کے لیے اتنی بڑی سازش کی۔ کیا ضرورت تھی؟"

طلعت کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ وہ خود بھی حیران ہو گئی۔

"اچھا تو تمہیں میری مہ جبیں سے شادی پر غصہ آ رہا ہے۔ تو یہ بات ہے۔" وہ ہنس رہا تھا۔ ڈھیٹ کہیں کا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں اصل واقعہ کس طرح ہوا۔ لاہور میں ہم سات طلبا نے ایک فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ ہم دو انجینئرنگ یونیورسٹی کے تھے باقی پانچ میڈیکل کے۔"

"مجھے تمہاری کہانی نہیں سننی۔ جھوٹ پر جھوٹ۔" کہتے تھے تم سے محبت کرتا ہوں۔ اس محبت میں کسی اور کا دخل نہیں ہوگا۔ میرے دل پر تمہارا نام لکھا ہے۔ پھر مہ جبیں کہاں سے آگئی؟"

"ہاں تو یہی سچ ہے اسی لیے آج میری زندگی میں مہ جبیں کہیں نہیں ہے۔ وہ پہلے بھی نہیں تھی۔" شہزاد کے لہجے میں کچھ تھا۔ ایسا سچ جس کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسی لیے شہزاد نے اسے ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ تب تک وہ کچھ بول نہ سکی۔

"ہم سب دوستوں کی طرح رہنے لگے۔ ہم اپنے تجربات اور مشاہدات ایک دوسرے کو سناتے۔ ڈاکٹروں کے پاس موضوع بھی بہت تھے اور تجربات ہم سے زیادہ۔ وہ نئی سائنسی تحقیقات اور ایجادات سے آگاہ کرتے۔"

شہزاد اس کے پاس بیٹھا اس کے حنائی ہاتھ سے کھیل رہا تھا اور وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے "ہاتھ نہ لگانا" کہہ کر غزا رہی تھی اب دم سادھے بیٹھی تھی اور چپ چاپ بیٹھ جانے پر خود سے شرمندہ بھی تھی۔

"جب ان لوگوں کو میری تم سے نسبت کا معلوم ہوا اور پاپا اور امی کے کزن ہونے کا سن کر وہ سب متفکر ہو گئے۔ انہوں نے اس طرح کی شادی کی بہت مخالفت کی۔ طرح طرح کی مثالیں دیں۔ ان خطرناک بلکہ ہولناک بیماریوں کی نشان دہی کی۔ جو ہماری اولاد کو ہو سکتی تھیں۔ میں بہت خوفزدہ ہو گیا۔ یہ کوئی ایک بار یا دو بار کا نہیں روز کا لیکچر ہوتا تھا۔ میں اپنے گھر کی باتیں کسی کے سامنے ڈسکس نہیں کرتا۔ مگر انجم جانتا تھا۔ اس نے ہی انہیں بتا دیا تھا۔ خیر میں ہر روز یہ قصے سن سن کر ازحد پریشان ہو گیا اور سچ تو یہ ہے کہ میرے اندر عجب قسم کا جوار بھاٹا سا بننا شروع ہو گیا۔ پھر کچھ ایسا تغیر پیدا ہوا کہ مجھ میں کوئی جوش ہی نہ رہا۔ ہر خواہش ختم اور تمام ارمان ٹھنڈے ہو گئے۔ دنیا بالکل لایعنی لاحاصل اور فضول لگنے لگی۔ میں اس ماحول سے گھبرا کر امتحانوں کے فوراً" بعد کراچی چلا گیا۔ یہاں آنے امی پاپا سے ملنے کی خواہش بھی نہ رہی۔ میں نے فائزہ کے معاملات سے بھی تعلق نہ رکھا۔ کراچی میں جاب بھی مل گئی۔ پھر میں یہاں آیا اور تم سے بات کر کے پھر کراچی چلا گیا۔ شادی کی تاریخ طے کرنے پاپا جب گئے میں ان کے جاتے ہی اسٹیشن روانہ ہو گیا۔ میں واقعی

بزدل ہو گیا تھا۔ پھر میں نے ہر طرف سے آنکھیں کان بند کر لیے۔ تم نے کیا کہہ کر انکار کیا۔ یہ بھی جاننا نہیں چاہا۔ امی کے فون سے تمہارے انکار کا سن کر میں نے شکر ادا کیا اور تمہاری دلیری کو داد دی۔

جب امی کراچی آئیں تو انہوں نے مجھے مہ جبیں سے شادی پر مجبور کیا۔ میں امی کے پُرزور اصرار پر مجبور ہو گیا اس وقت بھی مجھے اندازہ ہوا۔ انکار کرنا کتنی بہادری کی بات ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری بہت یاد آئی۔ تم نے...... میرا نام لیے بغیر کس حوصلے سے انکار کیا ہو گا۔"

شہزاد بے چین سا ہو کر ٹہلنے لگا۔

"شاید اگلے جھوٹ کے لیے تقریر تیار کر رہا ہے۔" طلعت نے سنگ دلی سے سوچا تھا۔

"پھر پاپا بھی آ گئے اور مجھ سے پوچھے بغیر انہوں نے مہ جبیں کے والد سے بات بھی کر لی۔ میں مجبور نہیں ہوا۔ بلکہ امی پاپا کے دباؤ میں آ گیا۔ پتہ نہیں وہ کیسے لوگ ہوتے ہیں جو ماں باپ کے محبت بھرے اصرار کو رد کر دیتے ہیں۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی۔ مگر میں نے یہ شرط رکھی کہ سارے فنکشن کراچی میں ہوں گے اور پھپھو جان کو اس کی خبر نہ دی جائے۔ میں تم لوگوں کو اس نئے صدمے سے بچانا چاہتا تھا۔ پھپھو کو غم زدہ دیکھنا میرے لیے سزا سے کم نہیں تھا۔"

"ہونہہ بڑے ہمدرد۔" طلعت نے منہ موڑ لیا۔

"لیکن سچ تو یہ ہے کہ...... اس مہ جبیں نے میرے ہوش اڑا دیے۔ وہ حسین تھی۔ بے حد تیز طرار۔ شادی کے دن ہی مجھے اندازہ ہوا کہ غلط فہمی یا کم فہمی کے سبب میں تمہارے ساتھ کیسا ظلم کر چکا ہوں۔ میں جو ڈاکٹروں کی اس ٹولی کے تجربات کتابی تحقیقات کے زیر اثر خود کو بیمار اور کمزور سمجھ رہا تھا۔ میں جو دنیا کی رنگینی سے بیزار ہو گیا تھا۔ جس طرح مجھے ان کی باتوں نے جوش سے خالی کر دیا تھا۔ وہ کیفیت تو اب نہ تھی۔ اور اس احساس نے مجھے اپنی ذات سے نفرت کرنا سکھا دیا۔ تمہارے ساتھ کی ہوئی زیادتی مجھے اپنا جرم لگی۔ احساس جرم نے...... مہ جبیں سے بھی دور کر دیا۔ اسی کے مشورے پر میں مسٹر نواز ماہر نفسیات کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے بہت تسلی دی اور کہا تم بالکل نارمل ہو۔ ذہن پر بوجھ ہے اسے حوصلے سے ہٹا دو۔ وہم نے تمہیں بے چین کیا ہے۔ اپنی ازدواجی زندگی وہم کی نذر نہ کرو۔ لیکن اس احساس جرم نے میری زندگی بہت مشکل بنا دی۔ میں جو تم سے محبت کا دعوے دار تھا۔ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔ تم نے میرے کہنے پر رسوائی مول لی۔ میں ایک لمحہ اس سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ میرے ذہن پر...... ہر وقت تمہارا خیال چھایا رہتا۔ جب ماہ جبیں میرے نزدیک ہوتی۔ میں اس سے کوسوں دور اور تم قریب محسوس ہوتیں۔ یہ کیفیت میرے لیے تکلیف دہ تھی تو مہ جبیں کے لیے ناقابل برداشت۔ وہ مجھ سے بدظن ہو گئی اور مسٹر نواز کے مشورے پر ہی میں نے اسے طلاق دے دی۔ لیکن اس کے بعد بھی...... میں بے چین رہا۔

مسٹر نواز نے کہا۔ "تم بہت حسّاس ہو اور اس احساس سے کبھی آزاد نہیں ہو سکو گے۔ اپنی زندگی اپنے مستقبل کی خاطر۔ اپنے ماں باپ اور خاندان کے لیے۔ اس پچھتاوے سے بچنے کی کوشش کرو اور جس لڑکی کو ٹھکرا چکے ہو۔ اسے اپنا لو۔ اگر وہ تم سے محبت کرتی ہے تو کسی اور کے ساتھ خوش نہیں رہ سکے گی۔ جہاں تک کزن میرج کا تعلق ہے۔"

شہزاد نے رک کر طلعت کی طرف دیکھا۔ وہ سر نیچے کیے پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

"نواز نے کہا کہ کزن میرج کے چند تلخ واقعات سننے میں آئے ہیں۔ جہاں تک غیر لوگوں کی آپس میں شادی کا تعلق ہے۔ وہاں بھی بیمار اور ایب نارمل بچے ہو جاتے ہیں اور وہ...... ضروری نہیں نسلی یا خاندانی ہوں۔ وہ الٹ پٹانگ دواؤں کے سبب بھی ہوتے ہیں اور دراصل ہر چیز پر اللہ ہی قادر ہے۔ وہ چاہے تو کوئی بھی بیماری کسی کو لاحق ہو جائے۔ غیر جگہ شادی کر کے اس غیر خاندان کی موروثی بیماری بھی شامل ہو سکتی ہے۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور یہاں انسان بے بس، بے اختیار ہے۔ اس لیے اللہ سے رحم کی دعا

کرتے رہنا چاہیے۔ انہوں نے یقین دلایا تھا کہ اگر اس لڑکی یعنی تم میں ذرا سی بھی محبت اور وفا ہو گی۔ تو وہ تمہارا انتظار کرے گی۔ بہ نسبت کسی اور سے شادی کرے۔ تو پھر اب کیا خیال ہے؟"

شہزاد کی شوخ مسکراہٹ نے طلعت کو مزید سلگا دیا۔

اس نے سر اٹھا کر سرد مہری سے کہا۔

"خیر میں اتنی بھی وفا کی پتلی نہیں ہوں کہ زندگی بھر انتظار میں گزار دیتی۔ میں خالہ منور کے بیٹے سے شادی پر رضامند ہو گئی تھی۔ وہ تو خالہ جی فوت ہو گئیں۔ ورنہ آج میں ملتان میں دلہن بنی بیٹھی ہوتی۔"

"بلکہ تم اس لم ڈھینگ کی پتلونیں سی رہی ہوتیں۔" شہزاد شوخی سے بولا۔

"کیونکہ...... بازار میں تو اس کی ٹانگوں کے سائز کی پتلونیں ملتی نہیں۔ میں نے تو جب بھی دیکھا۔ ہمیشہ شرٹ پینٹ میں ایڈوانس لک بنا دیکھا۔ تم کو سلائی بھی اچھی آتی ہے یہی دیکھ کر پھپھو منور نے تم سے رشتہ دیا تھا۔ ظاہر ہے۔ اس کا مضحکہ اڑانے والوں سے بچانے کے لیے تم اس کی صحیح سائز کی پینٹ تو سی ہی سکتی تھیں۔"

طلعت کے چہرے پر سرخی چھا گئی۔ "جی نہیں سگی بوا ایک اتنا اچھا رشتہ لائی تھیں کہ بس۔ میں تو اس کے لیے بھی راضی تھی۔" وہ فخریہ گردن اٹھا کر چڑا رہی تھی۔

"اچھا۔ وہ وحشی جٹ عرف بھینسوں کا رکھوالا۔ وہ جس کی اماں کو تم گوالن سمجھی تھیں۔"

"رفعت!" وہ چلاتی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔

"کوئی بات راز نہیں رہنے دی۔ اس رفعت سے تو ابھی سب کے سامنے نمٹوں گی۔ سمجھا کیا ہے اس نے مجھے۔" دروازہ لاکڈ تھا۔ وہ ایک بار پھر چلائی "رفعت!"

پھر اسے شہزاد کے ہنسنے کی آواز آئی۔

پیٹ پکڑے ہنسی سے لوٹن کبوتر ہوتے ہوئے شہزاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پورا کمرہ اس کے قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

بھاری مرغن کھانا ہضم کرنے کی نیت سے واک کرتے ماموں نے لان میں قہقہوں کو سنا تو آسمان کی طرف نظر کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر لاؤنج میں داخل ہو کر انہوں نے آواز لگائی۔ "او بھائی۔ شہزاد میاں۔ کمرے کی کھڑکی تو بند کر لے یار۔"

آواز تھی کہ دھمکی، شہزاد کی ہنسی رک گئی زبان دانتوں میں دبا کر سر پر ہاتھ مارا اور دوڑ کر کھڑکی بند کی۔

اب ہنسنے کی باری طلعت کی تھی۔ اور پھر دونوں ہی ہنسنے لگے۔

☆